حُسن انجام

eBook

حسنِ انجام

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نام کتاب ------------ حسنِ انجام

تالیف ------------ زبیدہ عزیز، نمرہ احمد

ناشر ------------ الہدیٰ پبلی کیشنز، اسلام آباد

ایڈیشن ------------ اوّل

تعداد ------------ 3000

ISBN ------------ 978-969-8665-87-6

قیمت ------------

تاریخ اشاعت ------------ ستمبر2016ء

ملنے کے پتے

اسلام آباد
7-AK Brohi Road, H-11/4, Islamabad, Pakistan
فون: +92-51-4866130-1, +92-51-4866150-1 +92-51-4866125-9
alhudapublications.org@gmail.com

کراچی
Office # C-23-F, Khayaban-e-jami,
phase -2 Ext, DHA, Karachi
فون: +92-21-3580-0038 +92-21-3580-0039
salesoffice.khi@gmail.com

امریکہ
PO Box 2256 Keller TX 76244
فون: +1-817-285-9450 +1-480-234-8918
www.alhudaonlinebooks.com

کینیڈا
5671 McAdam Rd ON L4Z IN9 Mississauga Canada
فون: +1-905-624-2030 +1-647-869-6679
www.alhudainstitute.ca

برطانیہ
14 Wangey Road, Chadwell Heath Romford,
Essex RM6 4AJ London U.K.
فون: +44-20-8599-5277 +44-79-1312-1096
alhudauk.info@gmail.com
alhudaproducts.uk@gmail.com

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

فہرست

• ابتدائیہ

• خاتمہ بالخیر

☆ اللہ پر کامل بھروسہ

☆ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

☆ لا الہ الا اللہ پڑھنا

☆ اچھے کام کا اچھا نتیجہ

☆ نیک اعمال اور دعا

☆ بیماری میں عبادت

☆ وفات سے قبل صدقہ کرنا

☆ نیک زندگی نیک خاتمہ

☆ فرماں بردار زندگی

☆ حسنِ سلوک کا اچھا بدلہ

☆ نیک تربیت کا اچھا انجام

☆ صبر اور دعا کا فائدہ

☆ مذاق اڑانا، ایک ناپسندیدہ کام

☆ جنازہ پڑھنے کا عملِ خیر

☆ نابینا ہونے پر صبر

• موت، ایک حقیقت

☆ رجوع الی اللہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

☆ دنیا کی زندگی، آخرت کو بہتر کرنے کا موقع

☆ دینی تعلیم سے محبت رکھنے والے کی موت

☆ سمجھ دار اولاد کا حالت سکرات میں اچھا طرزِ عمل

☆ عارضی اور ناپائیدار محبتوں میں مبتلا ایک لڑکی کی موت

☆ بیٹے کی حادثاتی موت پر صبر کا اجر

☆ اچانک پیش آنے والا حادثہ

ابتدائیہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دنیا بنائی اور زندگی اور موت کا ایک نظام قائم کیا۔ارشاد فرمایا:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ o الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا.... (الملک:2-1) ”بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔وہ ذات جس نے موت اور زندگی کو بنایا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون عمل میں اچھا ہے...“۔

کوئی بھی اچھا عمل، زندگی عطا کرنے والی بابرکت ذات کے ہاں اس وقت تک قابل قبول اور قابل ستائش نہیں جب تک وہ اس کی وحدانیت پر ایمان اور رسولوں پر بھیجے گئے فرامین کے تابع نہ ہو ورنہ دنیا بھر میں بے شمار لوگ فرداً فرداً یا اجتماعی بنیاد پر انسانیت کی فلاح و بہبود کے ان گنت شعبوں میں وقت، صلاحیت، جان اور مال کی قربانی دے کر بہترین کام کر رہے ہیں۔ایمان کے بغیر اچھے عمل کا صلہ دنیاوی عزت وستائش تک محدود ہے جبکہ اللہ اور آخرت پر یقین رکھنے والوں کو احسن اور صالح اعمال پر دنیا کے علاوہ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضا اور جزا کا وعدہ اور بہترین انجام کی خوش خبری ہے جس پر وہ مطمئن اور فرحاں رہتے ہیں۔قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ o اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ o لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ o (یونس:64-62) ”خبردار! بے شک اللہ کے دوستوں کے لیے کوئی خوف نہیں اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (گناہوں سے) بچتے رہے۔ان کے لیے دنیاوی زندگی میں خوش خبری ہے اور آخرت میں بھی۔اللہ کے کلمات بدلا نہیں کرتے، یہ ہی عظیم کامیابی ہے“۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

مومن کے لیے اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ اس نے دنیاوی زندگی کی مہلت سے کیونکر فائدہ اٹھایا، جواں ہمتی کا دورانیہ کس طرح گزارا، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں اور فضل کو کس راہ میں لگایا اور عمل کا دروازہ بند ہونے سے پہلے نتیجتاً اس کا آخری انجام کس حالت میں ہوا۔ خاتمہ بالخیر یا احسن انجام کی بنیاد زندگی بھر کا احسن عمل ہی ہے، یہی اسلام ہے، یہی سپردگی رب ہے اور اسی پر ہی عظیم کامیابی کا وعدہ ہے۔ چونکہ موت کے دروازے سے گزرے بغیر آخرت کا سفر ممکن نہیں اور موت کے بعد اس دنیا کی زندگی کا مکمل حساب بھی دینا ہے اور حتمی انجام تک پہنچنا ہے۔ اسی لیے اللہ کے تمام انبیاء اور برگزیدہ بندے ایمان اور احسن انجام کے لیے دعائیں کرتے رہے ہیں۔

سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو یہی نصیحت فرمائی:

...یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (البقرة:132)

’’...اے میرے بیٹے! بے شک اللہ نے تمہارے لیے یہ دین چنا ہے تو ہر گز تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو‘‘۔

سیدنا یوسفؑ کی دعا بھی یہی تھی:

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○ (یوسف:101) ’’آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، مجھے حالتِ اسلام میں فوت کرنا اور نیکوکاروں کے ساتھ ملانا‘‘۔

بارہا دیکھنے میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرماں بردار اور پسندیدہ بندوں کو اس دنیا سے دوسری دنیا کی طرف منتقلی کے موقع پر بھی تنہا نہیں چھوڑتا۔ وہ دنیا میں انہیں نیک زندگی عطا فرماتا ہے اور موت کی سختیوں میں بھی کلمہ توحید ادا کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ... (ابراهيم:27)

’’اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیا کی زندگی اور آخرت میں قول ثابت (کلمہ توحید) کے ذریعے ثابت قدمی عطا فرماتے ہیں...‘‘۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیا میں ہمارا عمل کلمہ توحید کے مطابق ہو۔ جس ذات کو سب سے بڑا تسلیم کر لیا اب زندگی بھر اس کے شرک اور نافرمانی سے بچیں! اپنے گناہوں کی معافی مانگیں! اور جو مہلت اللہ نے ہمیں دی ہوئی ہے اس میں نیک عمل کریں تاکہ آخرت میں سرخرو ہو سکیں۔

سیدنا انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ہر انسان خطا کار ہے اور گناہ گاروں میں سے اچھے وہ لوگ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں‘‘۔ (سنن ابن ماجہ:4251)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ’’بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک کہ روح حلق میں اٹک نہ جائے‘‘۔

(سنن ابن ماجہ:4253)

زبیدہ عزیز

ستمبر 2016

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

خاتمہ بالخیر

اللہ پر کامل بھروسہ

شگفتہ سعید

8 اکتوبر 1996 کا دن میرے اور میرے خاندان کو ہمیشہ یاد رہے گا۔

یہ وہ دن تھا جب ہمارے ابو ہم سے جدا ہوئے۔

اللہ ہمیں ہمارے والدین دے کر بھی آزماتا ہے اور پھر ان کو لے کر بھی آزماتا ہے۔

آزمائش کا کیا مطلب ہوتا ہے، یہ تب معلوم ہوتا ہے جب وہ ہاتھ جنہوں نے آپ کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا ہو، وہ ہاتھ کسی اسٹریچر پہ، کسی تابوت میں، ایک بے جان جسم کے ساتھ پڑے ہوں۔

دنیا میں ابھی وہ لغت ایجاد نہیں ہوئی جو اس کرب کو بیان کر سکے جو باپ کی موت پہ محسوس ہوتا ہے۔ ہر چیز کا نعم البدل مل جاتا ہے، بس ماں باپ نہیں ملتے۔

ابو دل کے مرض میں مبتلا تھے مگر ان کا قلب سیاہیوں سے پاک تھا۔ وہ بہت اچھے انسان تھے۔ اس لیے نہیں کہ چونکہ میرے ابو تھے تو میرے لیے سپر ہیرو تھے۔ نہیں! ان کے کردار اور اخلاق کی گواہی ایک زمانہ دیتا ہے اور اللہ اس پر رحم فرماتا ہے جس کے حق میں دو یا دو سے زیادہ مسلمان گواہی دیں!

وہ ایک ڈاکٹر تھے اور ہم سب دیکھتے تھے کہ کس طرح وہ اپنی مصروف ترین زندگی میں بھی نماز اور قرآن مجید کی تلاوت کے پابند تھے۔ انہیں اپنے پیشے سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ دن رات نہیں دیکھتے تھے۔ کوئی ان کو بلاتا اور وہ پہنچ جاتے تھے۔ والدہ ابو سے ناراض بھی ہو جاتیں کہ لوگ فیس نہیں دیتے پھر بھی آپ چلے جاتے ہیں۔

یہ نہیں تھا کہ والدہ صرف دنیاوی فائدہ دیکھتی تھیں، وہ بس ابو کو دنیاوی نقصان سے بچانا چاہتی تھیں۔

جواب میں ابو اپنی ازلی مسکراہٹ کے ساتھ محض ایک بات کہتے ”یہ علم میرے رب کا سکھایا

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ہوا ہے! کوئی میرے پاس اپنی تکلیف لے کر آئے اور میں نہ جاؤں تو قیامت کے اس بڑے دن میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔ ان پیسوں سے زیادہ میرے لیے یہ اہم ہے کہ میں کسی کے کام آ جاؤں''۔

اتنا ظرف اور اتنی کشادہ دلی ہر ایک کو نہیں ملتی اور جن کو ملتی ہے، ان کو آزماتا بھی خوب ہے تا کہ وہ خود بھی جان لیں کہ کتنے پانی میں ہیں؟

مریض کا علاج کرنا اور اس کے پاس بروقت پہنچ جانا، یہ اتنا کٹھن نہیں ہوتا جتنا کسی مریض کی مسلسل دیکھ بھال کرنا۔ بیمار آدمی جب تک تندرست نہیں ہو جاتا، وہ اپنی ساری پریشانی اسی طبیب پر نکالتا ہے اسی کو زچ کیے رکھتا ہے جو اس کے ساتھ سب سے بڑی بھلائی کر رہا ہوتا ہے۔

مگر ابو میں بہت حوصلہ تھا۔ خندۂ پیشانی سے سب برداشت کرتے اور مریض کو مسلسل مطمئن کرنے کی کوشش کیے رکھتے۔

ان کو بس ایک چیز چاہیے تھی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا!

اور انہیں ہم نے حصول رضا کے لیے اپنے آپ کو بھلا کر لوگوں کی خدمت کرتے دیکھا ہے۔

ہر قربانی کی ایک قیمت ہوتی ہے انہوں نے بھی وہ قیمت چکائی۔ قلب کو پرنور کرتے کرتے دل کی بیماری بڑھا دی تو ڈاکٹر نے بائی پاس کروانے کے لیے کہا۔

سب نے کہا کہ اس بیماری میں کوئی نہیں بچتا اور نہ ہی پاکستان میں یہ آپریشن کامیاب ہوتا ہے آپ ملک سے باہر جائیں لیکن ابو نے انکار کر دیا۔

ان کو اللہ پہ بھروسہ تھا وہ کہتے کہ اللہ نے اگر میری زندگی لکھی ہے تو یہاں بھی مل جائے گی اور اگر زندگی نہیں ہے تو وہاں جا کر بھی میرے لیے موت ہی ہے۔ مجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے وہ جو کرے گا مجھے منظور ہے۔ اللہ تعالیٰ پر یقینِ کامل سے اعلیٰ بندگی بھی کوئی ہو گی کیا!

خیر ابو آپریشن کے لیے سی۔ایم۔ایچ راولپنڈی میں داخل ہو گئے چوبیس دن ہسپتال میں رہے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

جب بھی ہم ان سے ملنے جاتے تو وہ قرآن مجید پڑھ رہے ہوتے اور مطمئن نظر آتے۔ اس کے علاوہ باقاعدگی سے ہم سے ملنے ہر جمعرات کو گھر بھی آتے اور اس میں بھی مریضوں کو چیک کرتے۔

جب ہم ابو کو نماز کے بعد دعا مانگتے سنتے تو اپنے لیے شہادت کی دعا مانگ رہے ہوتے اور کہتے کہ اے اللہ! مجھے محتاجی کی زندگی سے بچا!

دعا سے بڑا ہتھیار کوئی نہیں۔ ان کے پاس دعا بھی تھی اور توکل بھی۔

آپریشن سے دو دن پہلے ابو نے اپنی وصیت لکھ کر باجی کو دے دی تھی جس میں تمام بہن بھائیوں کو سختی سے نماز، قرآن اور روزے کی پابندی کرنے کی وصیت کی اور اپنی وفات کے بعد ہر قسم کی بدعات کرنے سے بھی منع کیا۔

ایسا محسوس ہوتا تھا گویا ابو جان ذہنی طور پر اپنے خالقِ حقیقی سے ملنے کے لیے تیار ہیں اور گھر والوں کو بھی تیار کر رہے ہیں۔

جس دن ان کا آپریشن تھا اُس ساری رات قرآن مجید پڑھتے رہے اور عبادت کرتے رہے۔

صبح میری والدہ اور سب سے بڑی بہن ابو سے ملنے گئیں تو ان کے ہاتھوں میں اللہ کی کتاب تھی اور سر جھکائے وہ کلام الٰہی کو پڑھتے چلے جا رہے تھے۔ کسی سے بھی بات کیے بغیر انہوں نے اشراق کی نماز پڑھی، قرآن مجید کی تلاوت کی اور دعا کی۔

اس کے بعد ڈاکٹرز اور نرسز آئیں اور آپریشن تھیٹر لے جانے کے لیے ان کو اسٹریچر پر لیٹنے کو کہا تو ابو کہنے لگے: مجھے کچھ نہیں ہوا میں ٹھیک ہوں اور خود جاؤں گا۔

وہ جو اندھیرے کی نمازوں میں محتاجی سے بچنے کی دعا مانگتے تھے، وہ کیسے اپنے قدموں پہ چل کر نہ جاتے؟۔

اتنا اصرار کیا کہ ایک ڈاکٹر کو کہنا ہی پڑا کہ ڈاکٹر صاحب! جھولے لینے کے لیے ہی لیٹ جائیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

اُس دن ابو بہت خوش تھے اور اُن کی آنکھوں میں ایک چمک تھی جس پہ تمام مریض اور ڈاکٹر حیران تھے کہ یہ واحد شخص ہے جو اتنی خوشی سے جا رہا ہے حالانکہ لوگ عموماً پریشان اور افسردہ اندر جاتے ہیں۔

مگر بات یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو نہ مستقبل کا خوف ہوتا ہے نہ ماضی کا غم۔

حالانکہ ابو نے اپنے سامنے دل کے آپریشن کے دوران کئی مریضوں کو دم توڑتے دیکھا تھا مگر پھر بھی بہت مطمئن تھے۔

اس کے بعد ان کا آپریشن ہوا۔ آپریشن کے دوران ہی وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ان کی دعا پوری ہوگئی اور وہ محتاجی کی زندگی سے بچ گئے۔

آج ابو کی وفات کو 19 سال ہو گئے ہیں مگر اتنے برس بعد بھی لوگ اُن کا ذکرِ خیر کرتے ہیں۔

اللہ اور رسول ﷺ سے محبت

سمیرا

میرے دادا پولیس آفیسر تھے۔

اس پیشے کا جب ذکر آتا ہے تو لوگوں کے ابرو تن جاتے ہیں اور آنکھوں میں استہزا ابھرنے لگتا ہے مگر دادا نے خود کو اس پیشے کی برائیوں سے ہمیشہ دور کیے رکھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے تقویٰ کے باعث ان کا پورا معاشرہ اللہ کے عذاب سے بچا رہتا ہے۔

بہت نیک اور دین دار انسان تھے۔

پولیس آفیسر ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی ناجائز کام نہیں کیا۔ حلال کمایا اور حلال ہی گھر لائے۔ حتی الامکان کوشش کی کہ اپنی اولاد کو حرام لقمہ نہ کھلائیں۔

وہ تہجد بھی پڑھتے تھے۔ اُن کی جائے نماز پر ایک عجیب سی روشنی رہتی تھی۔

اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کرنے کا صرف دعویٰ نہیں کرتے تھے بلکہ اس محبت میں ان کے احکام بھی پورے کرتے نظر آتے تھے۔

حبِ اللہ اور حبِ رسول جذباتی نہیں اصولی محبت کا نام ہے۔

دادا نے ساری زندگی ان اصولوں کو پورا کرنے میں گزاری رسول اللہ ﷺ سے محبت کے ساتھ عقیدت بھی بہت تھی۔ ابو کہتے ہیں اکثر جب آپ ﷺ کا ذکر کیا جا رہا ہوتا تو وہ اپنے جذبات پہ قابو نہ رکھ پاتے۔ وہ درود شریف کثرت سے پڑھتے اور پڑھتے ہوئے بہت روتے تھے۔

میں نہیں جانتی جب اللہ اور رسول ﷺ کا نام لیا جاتا تو ان کو کیا یاد آتا تھا، کیا سوچتے تھے، قیامت اور اللہ سے ملاقات کا کون سا خیال دل میں رعب بھرتا تھا جو ان کے آنسو جاری ہو جاتے مگر میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ یہ محبت کی وہ منزل ہے جس تک پہنچنے کے لیے انسان کو عمل کی ایک لمبی ریاضت درکار ہوتی ہے۔ محبت کے امتحان میں ایسے ہی تو کوئی نہیں پاس ہو جاتا۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

اپنی آخری عمر میں ریٹائرمنٹ کے بعد وہ بارہ گاہ الٰہی میں سجدہ ریز رہتے اور کثرت سے عبادت کرتے۔

اُن کی وفات مجھے آج بھی بہت تعجب انگیز لگتی ہے۔

وہ ایک اداس سا دن تھا۔ساکن اور خاموش۔دادا مسجد میں میرے والد کے ساتھ نماز جمعہ ادا کر کے گھر آئے اور قرآن کھول کر بیٹھ گئے۔ میں نے ابو سے ضد کی کہ مجھے دادا کے پاس جانا ہے تو ابو نے کہا کہ بیٹا وہ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔اس کے بعد ابو مجھے بہلانے کے لیے بازار لے گئے۔

جب ہم واپس آئے تو دادا وہاں نہیں رہے تھے ہمیں دیر ہو چکی تھی۔

جو منظر میں نے دیکھا وہ تب سے اب تک اتنے برسوں بعد بھی میرے دل پہ نقش ہے۔

میرے دادا جی اسی طرح بیٹھے تھے جیسے ہم ان کو چھوڑ کر گئے تھے بس فرق یہ تھا کہ ان کا سر کھلے ہوئے قرآن پاک پر تھا اور ان کی روح پرواز کر چکی تھی۔

لا الہ الا اللہ پڑھنا

ڈاکٹر مہر النساء

یہ واقعہ شیخ زید ہسپتال کا ہے۔

میرے والد صاحب ان دنوں بیمار تھے اور ہسپتال میں داخل تھے۔ٹین ایج سے نکلنے کے بعد جس خیال نے مجھے ہمیشہ ڈرایا وہ والدین میں سے کسی ایک کو خدانخواستہ پیش آنے والی کوئی بھی تکلیف تھی۔ پتہ نہیں یہ ماں باپ اتنے پیارے کیوں ہوتے ہیں، جیسے جیسے بوڑھے ہوتے جاتے ہیں،ان کے لیے دل زیادہ ڈرنے لگتا ہے کہ ان کو کچھ ہو نہ جائے۔آدھی رات کو کبھی فون کی گھنٹی بجے تو سب سے پہلے انہی کا خیال آتا ہے۔

اللہ بھی انسان کے دل میں کیسی کیسی محبتیں ڈال کر اسے آزماتا ہے۔

وہ بھی آزمائش کے دن تھے جب میں والد صاحب کے ساتھ ہسپتال میں موجود تھی ان کی تکلیف کا خیال دل کو ہر وقت اذیت دیتا رہتا تھا۔

اس وقت ہسپتال میں ایک اور شخص شدید تکلیف میں تھا جو میرا کچھ نہیں لگتا تھا مگر اس کی اذیت دیکھ کر میرا دل بہت بری طرح سے دکھا تھا۔

پچھلی رات اسے لایا گیا تھا میرے والد سے تیسرے بستر پہ وہ لیٹا تھا۔اس کے پیٹ میں پانی بھر چکا تھا، وہ شدید اذیت کے عالم میں تھا۔

معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ خود بھی ایک ڈاکٹر تھا۔میں سوچنے لگی پتہ نہیں کتنے لوگوں کو اس کے ذریعے اللہ نے شفا دی ہو گی، ایسی شفا جس نے کسی بیماری کو چھوڑا نہ ہو گا۔

بیماری وہ شے ہے جس کے دوران انسان سب کچھ بھول کر صحت مانگتا ہے اور اگر ایسے میں کوئی تکلیف دور کرنے کا نسخہ بتا دے جس پہ عمل کر کے تکلیف دور بھی ہو جائے تو مجھے لگتا ہے وہ پہلا لمحہ، وہ آرام و سکون کی پہلی ساعت انسان کو اس شخص کے لیے دعائے خیر کرنے پہ مجبور کر دیتی ہے جو شفا کا وسیلہ بنا تھا۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

تب میں نے سوچا تھا کہ میرے والد سے تیسرے بستر پہ لیٹا وہ شخص جانے کتنے لوگوں کے اس ''پہلے لمحے'' کی دعا بنا ہوگا۔

اگلی شام اس کا سانس اکھڑنے لگا تو میں اس کو دیکھنے گئی۔ تکلیف کی شدت کے باعث وہ ٹھیک سے بول بھی نہیں پا رہا تھا

مگر میرے کانوں نے سنا، فرشتوں نے بھی سنا ہوگا اور اس کمرے کی ہر اس بے جان شے نے بھی سنا ہوگا جو روزِ قیامت گواہی دے گی کہ وہ کلمہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس سعی کے دوران اس کے لبوں سے رک رک کر کلمہ ادا ہوا، لا...الہ. . .الا اللہ، ایک ایک لفظ جو زیادہ واضح نہ تھا مگر سمجھ آ رہا تھا۔

جن کو سمجھنا تھا اور کتاب میں درج کرنا تھا، ان کو سمجھ آ گیا ہوگا۔ پورے کلمے تک وہ نہیں پہنچ سکا، روح نکلنے کا وقت پہلے آن پہنچا۔ اللہ کے ہاں تو بات بدلی نہیں جاتی، نہ ہی موت کی گھڑی ایک ساعت آگے جاتی ہے، سو اس کی روح نے جسم کو چھوڑ دیا۔

میں مبہوت سی ہو کر وہ سب دیکھ رہی تھی! میرے آنسو نہیں نکلے کیونکہ ہر وقت آنسو دل کی حالت بیان نہیں کر سکتے۔

اس کے سرہانے بیٹھی اس کی بیوی رونے لگی تو میں نے اسے سمجھایا کہ اونچی آواز میں بین نہ کریں بلکہ اس بات پہ شکر ادا کریں کہ اللہ نے اس کے شوہر کو آخری وقت پہ کلمہ پڑھنے کی مہلت دی۔

اللہ ہمارا خاتمہ بھی کلمہ توحید پر فرمائے! آمین۔

ایمان پر خاتمہ کی دعا ہم سب کی دعاؤں کا لازمی حصہ ہونا چاہیے۔ بسا اوقات موت کی سختی یا اچانک موت کی وجہ سے کلمہ طیبہ ادا کرنے کی مہلت نہیں مل پاتی تو اللہ تعالیٰ سے یہ اچھا گمان رکھنا چاہیے کہ وہ ایسی دعا کو اپنی رحمت سے عبادت اور عمل صالحہ کے طور پر محفوظ کر لے گا! آمین۔

اچھے کام کا اچھا نتیجہ

ڈاکٹر مہر النساء

ایک ڈاکٹر ہونے کے ناطے، میں نے اپنی جاب کے دوران بہت سے لوگوں کو جان کنی کے اس عالم میں دیکھا ہے جب سانس حلق سے جدا ہو رہی ہوتی ہے اور لبوں سے سوائے اپنے رب کے نام کے ہر بات نکلتی ہے۔

ان تمام لوگوں میں سے جو میرے سامنے فوت ہوئے مجھے صرف دو ایسے لوگ یاد آتے ہیں جن کے ہونٹوں پہ جان نکلتے وقت کلمۂ طیبہ تھا۔

یہ ان دنوں کا قصہ ہے جب میں اوکاڑہ کے ایک ہسپتال میں تعینات تھی۔

یہ سخت تکان سے بھرپور شب و روز تھے۔ ادھر ذرا کمر سیدھی کرنے بیٹھتی تو ادھر مریض آجاتا آنکھ بھی نہ لگی ہوتی کہ پھر سے اٹھنا پڑتا مگر ہم ڈاکٹروں کو ایسا کرنا پڑتا ہے۔

ایسی ہی ایک صبح میں ایمرجنسی میں ایک مریض کے ساتھ موجود تھی۔

صبح ابھی تازہ تھی، سورج نے ٹھیک سے آسمان کے پیچھے سے جھانکنا بھی نہیں شروع کیا تھا کہ ایک شخص کو لایا گیا۔ یوں تو ایمرجنسی میں دن رات بہت سے لوگ لائے جاتے ہیں مگر کچھ آپ کو مدتوں یاد رہتے ہیں

وہ بھی ایسا ہی ایک شخص تھا۔

عمر کوئی پچاس کے لگ بھگ ہوگی، گندمی رنگت، دیکھنے میں سادہ لوح، مطمئن چہرہ، اس پر ذرا سی بھی گھبراہٹ نہ تھی۔

ایسی روشن پیشانیاں دیکھ کر ایک دفعہ تو انسان ٹھٹکتا ہی ہے، میں بھی ٹھہر گئی تھی۔

معلوم کیا تو پتہ چلا کہ اس کو ابھی ابھی ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ ڈاکٹروں نے اس کا چیک اپ کیا، ڈرپ لگائی اور دوائی دے کر ابھی گئے ہی تھے کہ مریض کی طبیعت پھر بگڑنے لگی۔

گھر والے فوراً ڈاکٹر کو بلانے دوڑے۔ مریض کے آس پاس لوگ جمع ہونے لگے۔ اس

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

شخص کے چہرے کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔

وہ جان کنی کا لمحہ تھا۔ میں بھی گویا سانس روکے اس ہجوم کا حصہ بنی کھڑی تھی جن میں سے ایک ملک الموت بھی تھا۔

ڈاکٹر آگئے، اس کو بچانے کی ہر ممکن انسانی کوشش کی جانے لگی مگر اس کی حالت غیر ہوتی چلی گئی۔

مجھے لگا میری اپنی آنکھیں بھیگ رہی ہیں۔ ایسے ہمیشہ نہیں ہوتا مگر ایسی روشن پیشانیوں والے لوگ بھی تو ہمیشہ میرے سامنے نہیں آتے تھے۔

میں اس کے گھر والوں کی طرف گئی، ان سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کب سے بیمار ہیں؟ مجھے خود نہیں معلوم کہ میں جاننا کیا چاہتی تھی؟ مریض کی ہسٹری؟ اس مرض کی تفصیل جو ابھی مریض کے ساتھ ختم ہونے جا رہا تھا؟ یا اَن تھک ریاضتوں کا راز جو کسی بھی انسان کو نور عطا کر دیتی ہیں؟

اور تب انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ امام مسجد ہیں۔ یہ اس وقت جاگتے ہیں جب زمانے کے لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو تب تکبیر کے لیے ہاتھ بلند کرتے ہیں جب دنیا ہاتھ گرائے غافل پڑی ہوتی ہے۔

برسوں سے مسجد کی پاسبانی کرنے والے، وہ ایک امام مسجد تھے۔

میں سنتی گئی اور میرے گلے میں آنسوؤں کا پھندا لگتا گیا۔

اس صبح بھی وہ منہ اندھیرے اٹھے تھے، نمازِ فجر کی امامت کروائی، اس کے بعد ننھے منے بچوں کو قرآن پڑھانے لگے۔

اور ہاں، بالکل اسی وقت جب کتاب اللہ ان کے ہاتھ میں تھی اور بہت سی معصوم آوازوں کی تلاوت ان کی سماعتوں میں تھی، ہاں عین اسی وقت ان کے دل نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا!

یہ ہارٹ اٹیک قرآن کی محفل میں ہی ہوا تھا۔

بتانے والے نے بتانا بند کر دیا کیونکہ سامنے لیٹے امام مسجد کی سانسیں اب ٹوٹ رہی تھیں۔ آنکھیں بند تھیں اور کوئی ان دیکھا ان جانا وجود ہم سب کے ساتھ کھڑا ان کی روح قبض کرنے کے لیے تیار تھا

اور تب میں نے ان کے ہلتے ہونٹوں کو دیکھتے ہوئے سنا، وہ کلمہ پڑھ رہے تھے۔

یہ وہ حالت تھی جب ان کو ہر شے بھول جانی چاہیے تھی۔ یہ ابدی نیند میں جانے کی حالت تھی مگر اس وقت بھی لبوں سے کلمہ ادا ہو رہا تھا۔

میں بالکل مسحور ہو کر دیکھ رہی تھی مجھے نہیں معلوم میرے آنسو کیوں بہہ رہے تھے مگر ہاں میں نے اتنا ضرور سوچا تھا کہ جو ہر صبح منہ اندھیرے اللہ کا نام لے کر اٹھتا ہو پھر مسجد کے منبر پہ کھڑے ہو کر، اللہ کا نام پکار کر، دوسروں کو بھی نیند سے جگاتا ہو، وہ کیسے ہمیشگی کی نیند میں جانے سے قبل اللہ کا نام نہیں لے گا؟

عادتیں، محبتوں سے زیادہ پختہ اور دیرپا ہوتی ہیں!

امام مسجد نے ہمارے سامنے دم توڑ دیا اور ان کے گاؤں والے ان کو اسٹریچر میں ڈال کر وہاں سے لے گئے، ہجوم بھی بکھر گیا اور ہسپتال میں روزمرہ کے کام سرانجام دیے جانے لگے۔

گویا ہر شے معمول پہ آنے لگی لیکن اگر کچھ معمول پہ نہیں آیا تو وہ میرا دل تھا۔

زندگی میں تندرستی اور جواں مردی کی حالت میں کیے ہوئے اچھے اعمال مثلاً قرآن مجید کی تعلیم دینا، خاتمہ بالخیر کا بہترین ذریعہ بن سکتے ہیں۔

نیکی کے کاموں میں ''کل'' کا انتظار نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ''آج سے اور ابھی سے'' کا طرزِ عمل اپنانا چاہیے۔ موت بڑھاپے کا انتظار نہیں کرتی کیونکہ جب ملک الموت کو حکم مل جائے تو وہ پہنچنے میں دیر نہیں کرتے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نیک اعمال اور دعا

صدف ضیاء

انسان کامیابی کے کسی مرحلے میں ہو یا ناکامی کے، وہ اونچے پہاڑ کی چوٹی پہ کھڑا ہو یا سمندر کی عمیق گہرائی میں ڈوب چکا ہو دعا اس کو ہر حال میں فائدہ دیتی ہے۔

میں نے زندگی کا ایک عرصہ یہ سوچ کر ضائع کیا کہ میری دعا جانے قبول ہو بھی یا نہیں لیکن بہت دیر سے سمجھ آئی کہ دعا تو ہر حال میں کرنی چاہیے۔ دعا کی قبولیت کا یقین نہ ہو تو پہلے اس یقین کے لیے دعا مانگنی چاہیے۔ یہ سبق میں نے اپنی پرنانی کی زندگی سے سیکھا۔

سرگودھا کے ایک گاؤں چک 53 شمالی میں میری پرنانی رہتی تھیں۔ جتنا میں نے ان کے متعلق سنا اور میرے بڑوں نے دیکھا، وہ بہت سادہ، نیک اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ ان کی بہت سی پیاری عادتوں میں سے ایک ان کا دعائیں مانگنا تھا، جو غم میں اور خوشی میں، تنگی میں اور آسانی میں، بیماری میں اور صحت میں ہمیشہ ان کی زبان کو تر کیے رکھتیں۔

جب وہ نماز پڑھتیں تو دعا مانگتیں کہ اے اللہ! میرا خاتمہ نیک کرنا، مرتے وقت مجھے کلمہ نصیب ہو! اور جس دن میں فوت ہوں وہ جمعرات یا جمعہ کا دن ہو!

کچھ لوگ سمجھتے ہیں اسلام تن آسان لوگوں کا دین ہے۔ بھئی جو فارغ ہے وہی کرتا ہے اتنی عبادتیں! مگر کیا غم انسان کے پاس فراغت اور سکون رہنے دیتے ہیں؟

میری پرنانی کی زندگی میں بھی بہت دکھ تھے۔ ان کی چھ بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ بیٹا 15 سال کی عمر میں فوت ہو گیا تو بظاہر لگتا گویا پندرہ برس کی ریاضتیں اور محنتیں اکارت چلی گئیں۔

چھ بیٹیاں بھلے تھیں مگر وہ جو زیورات میں پالی جاتی ہیں اور جن کی خبر پہ چہرے کا رنگ سیاہ پڑنے لگتا ہے، ان کے ہونے کی ''خواہش'' کی ''محبت'' تو کبھی بھی انسان نے اپنے دل میں نہیں رکھی۔ آدم کی اولاد کی حب الشہوات شروع ہی بیٹے سے ہوتی ہیں۔

سو ان کے شوہر نے بھی بیٹے کی خاطر دوسری شادی کر لی۔

اب وہ تھیں اور ان کی چھ بیٹیاں مگر انہوں نے بیٹیوں کو بہت محنت سے پالا اور دینی تعلیم دلوائی۔ یوں ایک عمر گزر گئی فرائض نبھاتے نبھاتے۔

بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں حج کی سعادت عطا فرمائی وہاں سے اپنے لیے کفن کا کپڑا خرید کر لائیں۔ انسان کو بھی کیسے کیسے الہام ہو جاتے ہیں یا پھر کچھ لوگ ہم سے زیادہ حقیقت پسند ہوتے ہیں۔ موت کے لیے تیار۔ اس کا سامنا کرنے کی جرأت رکھنے والے۔

جب وہ حج سے واپس آئیں تو بیمار رہنے لگیں۔ تقریباً ایک سال بیمار رہیں ایک دن سخت بخار ہوا۔ بدھ کا دن تھا۔ سخت بیماری میں بھی اپنی ازلی دعائیں لبوں پہ رہیں۔ دو دن بخار رہا آخر کار جمعہ کا دن آ گیا۔

صبح سے وہ سب کو اپنی طرف بلا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ سب مجھے مل لیں اس کے بعد میں کبھی نہیں ملوں گی۔

اپنے رب تعالیٰ سے حسنِ ظن اور قبولیتِ دعا کا اتنا کامل یقین!

بار بار کلمہ پڑھ رہی تھیں گویا معلوم تھا کہ اللہ ان کا مان ضرور رکھے گا۔

جمعہ کی اذان ہوئی تو انہوں نے کہا کہ مجھے وضو کرواؤ۔ نانی اماں نے انہیں وضو کروا دیا پھر کہنے لگیں کہ مجھے جائے نماز پر بٹھاؤ۔ نماز شروع ہی کی تھی کہ نزع کا وقت آ گیا۔ انہوں نے اللہ اکبر کہا منہ اوپر کی طرف اٹھایا، شہادت کی انگلی اٹھائی، آنکھوں میں آنسو آئے اور ساتھ ہی روح پرواز کر گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمالی اور وہ جمعہ کے دن فوت ہوئیں۔

انہوں نے عبادت کے ساتھ ساتھ خاتمہ بالخیر کی دعا کو جس طرح اپنی زندگی میں لازم رکھا اور جس طرح ہم نے اس دعا کی قبولیت کی جھلک ان کے آخری وقت میں دیکھی، وہ آج بھی دل پہ رقت طاری کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے! اور ان کو جنت کے اعلیٰ ترین بالا خانوں میں جگہ دے! آمین۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بیماری میں عبادت

سمیہ ساغر

آپ کو زندگی میں بہت لوگ ملتے ہیں جو اپنی اچھائیوں کے باعث آپ کی یادوں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اگرچہ موت نے ان کو آپ سے جدا ہی کیوں نہ کر دیا ہو۔

میرے ماموں بھی ان ہی اچھے لوگوں میں سے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت نعمتیں دی تھیں۔

مجھے لگتا ہے وہ بہت لوگوں سے اس لیے بہتر تھے کہ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی قدر کی۔

میرے اور دوسرے لوگوں کی طرح ہمیشہ وہ نہیں دیکھا جو ان کے پاس نہیں تھا بلکہ وہ دیکھا، جو ان کے پاس تھا اور جو نہ تھا اس کے لیے پر امید رہے۔ ''شکر'' اسی کو کہتے ہیں۔

ماموں نے اپنی بہترین یادداشت کا شکر اللہ تبارک وتعالیٰ کی مقدس کتاب کو یاد کر کے ادا کیا۔ ویسے تو بہت سے حفاظ ہوتے ہیں جو رمضان کے لیے حفظ کرتے ہیں، وہ جو ماں باپ کے جبراً حفظ کروا دینے کے بعد اس کو بھول جاتے ہیں اور ساری عمر اس احساسِ جرم سے لڑتے رہتے ہیں کہ انہیں قرآن یاد نہیں۔

ماموں ایسے نہ تھے۔ ایک دفعہ اللہ کی کتاب کو دل میں اتارا تو پھر کبھی دل سے نہیں اتارا۔ اسے روح سے لگا کر رکھا۔ ان کے گھر کے قریب اللہ کا گھر تھا وہیں دن کے پانچوں وقت جاتے اور لوگوں کو نماز کی جانب بلانے کے لیے صدائیں لگاتے۔

میں سوچتی ہوں، کیسے مکرم ہوتے ہیں وہ لوگ جو منہ اندھیرے فجر کی نیلی چھایا میں مسجد کے منبر پہ کھڑے ہو کر اذان بلند کرتے ہیں۔ دنیا ان کو ملا کہے یا مولوی، میں ان کو مکرم اور معزز کہتی ہوں۔ یہ وہ ہیں جن کو اللہ نے بندوں کو اپنے گھر بلانے پہ مامور کیا۔

اور ماموں نے ایک عرصہ اس فرض کو اچھے سے نبھایا۔ جو قرآن پڑھ رکھا تھا، اسے بخل کر کے خود تک روک نہیں رکھا بلکہ مسجد میں بچوں کو اللہ کی کتاب پڑھایا کرتے تھے۔

عبادت کرنے کی توفیق ملنا بھی ایک عظیم نعمت ہے۔ جس کو یہ مل گئی، اس کو سب کچھ مل گیا۔

ماموں بھی ایسی ہی بہت پیاری اور طویل عبادت کیا کرتے تھے۔

اور پھر جوانی کے ان دنوں میں جب ''موت'' کسی ایسی لوک کہانی کا دیس لگتی ہے جس کا پہلا لاپرواہ سا فقرہ ''جب ہماری سواری اس دیس تک پہنچے گی، تب دیکھ لیں گے'' ہوتا ہے، ان کو کینسر جیسا موذی مرض لاحق ہو گیا۔ بلڈ کینسر!

میں اکثر سوچتی جس انسان نے اپنے دل میں رکھے قرآن کو ایسے اندر تک اتارا کہ وہ اس کی روح، گوشت اور خون کا حصہ بن گیا، اس کے خون کو کیسے کسی بیماری نے چھو لیا؟

مگر اب لگتا ہے کہ بیماری سزا ہی نہیں بلکہ امتحان بھی ہو سکتی ہے۔

اللہ نے ماموں کو بھی امتحان میں ڈالا مگر انہوں نے شکوے نہیں کیے، گلے نہیں کیے، مایوسی نہیں دکھائی کچھ کیا تو صرف عبادت۔

بیماری نے ان کے قرآن کی قرات اور ان کی نماز کو اور بڑھا دیا۔

رمضان کا مہینہ آیا جو ان کی زندگی کا سب سے تکلیف دہ مہینہ تھا۔ ان کا درد پہلے سے بڑھ گیا تھا مگر اس درد نے ان کو نماز سے نہیں روکا۔

مجھے آج بھی یاد ہے وہ ان کی زندگی کا آخری جمعہ تھا۔

نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے بعد جب ان کی تکلیف شدت اختیار کر گئی تو انہوں نے اپنی پھوپھو کو بلایا۔ ان سے کہا کہ میری امی اور بہن کا خیال رکھنا پھر کلمۂ شہادت پڑھا۔ اس کے بعد سورۃ یٰسین کی تلاوت شروع کی، جان کنی کے ان تکلیف دہ لمحات میں بھی وہ یٰسین پڑھتے گئے اور سانسیں اکھڑتی گئیں۔ یوں تلاوت کے دوران ہی ان کی وفات ہو گئی۔

میں سوچتی ہوں کیوں اس تکلیف کی ساعت میں بھی قرآن یاد رہا؟

شاید اس لیے کہ تکلیف میں سب سے زیادہ بھی وہی یاد رہتا ہے جو خوشی میں سب سے زیادہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

قریب رہا ہو، جس پہ زندگی کے ہر مرحلے اور مسئلے میں سب سے زیادہ بھروسہ کیا ہو۔

اللہ ربّ العزت ہمیں بھی قرآن کو ایسے ہی دل سے لگا لینے کی توفیق دیں اور ماموں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں! آمین۔

ساری زندگی قرآن مجید سے تعلق، عبادت سے لگاؤ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے حسن ظن خاتمہ بالخیر کا سبب بنا۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

وفات سے قبل صدقہ کرنا

منیبہ بتول

میں اپنی دادی جان کی وفات کا واقعہ بیان کرنا چاہتی ہوں۔ ہمارے بڑے وہ چراغ ہوتے ہیں جن کی قدر ان کے بجھ جانے کے بعد زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ وہ بھی ایسی ہی تھیں۔

ان سے جڑی میری اوائل عمر کی یادداشتیں بہت پختہ ہیں۔

ایک مشفق سی خاتون۔

وہ جن کی عزت سارا گاؤں کیا کرتا تھا۔ وہ جو اتنی معتبر تھیں کہ دنیا والے اپنے دنیاوی مسائل لیے ان سے چارہ گری کروانے آتے تھے۔ پھر معاملہ شادی بیاہ کا ہو یا روٹھے ہوئے رشتوں کی صلح کروانے کا، دادی کو لوگ بہت مان اور محبت سے اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔

وہ ایسی ہی تھیں، ہر کسی کی مدد کے لیے ہمہ وقت تیار۔

میں نے ہمیشہ ان کو نماز اور روزے کی پابندی کرتے دیکھا۔ رحمٰن کے بندوں کے لیے کبھی رحمٰن کو ناراض کرتے نہیں دیکھا۔ نیتوں کا حال تو میرا اللہ ہی جانتا ہے مگر وہی اللہ ہمیں اپنے بندوں سے ان کے ظاہر کے مطابق معاملہ کرنے کا حکم بھی دیتا ہے۔

دادی جان کا ظاہر بہت پاکیزہ تھا۔

عزیز و اقارب ان سے مخصوص مواقع پہ دعا وغیرہ بھی کروایا کرتے تھے۔

مجھے یاد ہے! دادی جان اللہ کے پاک کلمات اور سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کیا کرتی تھیں۔ ہمارے بچپن کے دنوں میں کس طرح ہمارے گھر میں ان کے پاس کوئی نہ کوئی دم کروانے کے لیے بیٹھا رہتا اور کبھی کسی کو انکار تو وہ کرتی نہیں تھیں۔

اتنا بھی معلوم ہو جائے کہ کوئی گھر نہیں آ سکتا تو بذاتِ خود اس کے گھر جا کر دم کر دیتی تھیں۔

کچھ لوگوں نے بندوں کو مایوس کرنا سیکھا ہی نہیں ہوتا۔

ایسے ہی، میں نے ہمیشہ دیکھا کہ وہ طہارت و غسل کا بے حد اہتمام کیا کرتی تھیں۔

صفائی اور پاکیزگی اتنی ہوتی کہ دیکھ کر دل منور ہو جاتا۔

جو بات دادی جان کی ہمیشہ یاد رہی، وہ ان کے دل کی وسعت تھی۔

وہ بہت زیادہ صدقہ کیا کرتی تھیں۔

خاص طور پر اپنے کپڑے اور قرآن مجید صدقہ کے طور پر دے دیا کرتی تھیں۔

اور پھر جیسے ہر شخص کی زندگی میں ایک وقت آتا ہے جب اپنی سانسیں بھی اپنی نہیں رہتیں، دل تھم تھم کر چلتا ہے اور جب وہ نظر آنے لگتا ہے جو کوئی دوسری آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔

ان کی زندگی بھی اس نہج پہ آگئی اور ہماری دادی! وہ جو ایک روشن چراغ تھیں،

اس چراغ کی لو ٹمٹمانے لگی۔

دادی جان بیمار پڑ گئیں۔ میں سنتی تھی کس طرح بڑوں کی بیماری چھوٹوں کے لیے ایسی اذیت بن جاتی ہے جو روح کو یوں کاٹتی ہے کہ خون بھی نہیں ٹپکنے دیتی مگر میں یہ بھی سوچتی تھی کہ زیادہ الم ناک موت تو جوانی کی ہوتی ہوگی بڑھاپے میں تو سب مر ہی جاتے ہیں!

مگر جب اپنے پہ آتی ہے نا تب پتہ چلتا ہے۔

جب وہ بیمار ہوئیں تب قریب سے دیکھا کہ موت کی چاپ سنائی دینے لگے تو کیا حالت ہوتی ہے مگر دادی نے اس حالت میں بھی رب کو یاد رکھا۔

بیماری کے دوران جو بھی عیادت کے لیے آتا تو اسے کہتیں

میرے ارد گرد قرآن مجید پڑھ کر دم کرو!

پھر اک روز گھر کے چند افراد کو بلایا اور کہنے لگیں:

آج میرا تم سے جُدائی کا وقت آ گیا ہے۔

جب یہ کہہ رہی تھیں تو کانوں میں سونے کی بالیاں تھیں، وہ خوب صورت بالیاں جو دادا جان نے ان کو بنوا کر دی تھیں۔

لوگ کہتے ہیں عورت کے لیے سونا اہم ہوتا ہے۔

میں کہتی ہوں نہیں! سونے سے جڑی یادیں زیادہ اہم ہوتی ہیں۔

دادی جان کی معلوم نہیں کتنی یادیں ان بالیوں سے جڑی تھیں

مگر ساری عمر صدقہ کیا تھا تو اس وقت کیسے نہ کرتیں؟

بس دادا جان سے اجازت لی اور بالیاں اتار کر مسجد میں بھجوا دیں۔

پھر دادا جان سے کہنے لگیں کہ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے، میرے لیے دعا کریں۔

اس کے بعد.....وہ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پنڈلی پنڈلی سے مل جاتی ہے!

بس ویسے ہی ہوا، سانس حلق میں آن پہنچا اور تقریباً رات دس بجے دادی جان فوت ہو گئیں

میری امّی اور خالہ ان کے کلمۂ شہادت کی گواہی دیتی ہیں۔

اللہ ربّ العزت ان کی مغفرت فرمائیں

ان کو ان کے ہر اچھے کام کا اچھا اجر دیں اور ان کی ہر خامی سے درگزر فرمائیں! آمین۔

اپنی ذاتی عبادات اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ اللہ کے بندوں سے خیر خواہی اور حقوق العباد کی ادائیگی، زندگی اور موت کے لمحات میں بھی سکون و راحت کا باعث بنتی ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نیک زندگی ۔ نیک خاتمہ

زبیدہ عزیز

تقریباً دنیا کا ہر انسان اپنی اولاد کا ہیرو ہوتا ہے پھر چاہے وہ اچھا ہو یا برا بچوں کے لیے وہ سپر آئیڈیل ہوتا ہے، مگر وہ بچے خوش قسمت ہوتے ہیں جو بڑے ہو کر بھی اپنے والدین کو اتنے ہی اعلیٰ مقام پر پائیں جتنا وہ ہمیشہ سمجھتے رہے تھے۔

میرے نانا جان! ان لوگوں میں سے تھے جو نماز کو زندگی کی ہر تجارت سے اوپر رکھتے ہیں۔

دنیا میں نماز سے بڑی عبادت، نماز سے بڑی کمک، نماز سے بڑی دعا آدم کی اولاد کو دی ہی نہیں گئی۔

نانا جان نے بھی ایسے ہی اپنی زندگی میں نماز کو شامل کیے رکھا۔

جب ان کی وفات کا وقت آیا تو میرے خالہ زاد بھائی کے ہمراہ تھے۔

وہ ان کے خاتمہ بالخیر کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں ”میں صبح یونیورسٹی جانے کے لیے نکلا تو خیال آیا کہ بابا جی کو دیکھتا ہوا جاؤں۔ اللہ نے یہ احسان کیا مجھ پہ کہ میں اپنے بزرگ کے پاس ان کی آخری ساعت میں موجود تھا۔ دعا ہے کہ اللہ ایک احسان یہ بھی کرے کہ میری آخری ساعت میں کوئی میرے ساتھ بھی کلمہ پڑھانے کے لیے موجود ہو...

بابا جی نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر لیٹے ہوئے تھے طبیعت کچھ ٹھیک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ قدرے سست سے تھے تو ان کو چھوڑ کر جانے کا دل نہیں چاہا لہٰذا میں وہیں بیٹھ گیا۔ کچھ اور قریبی رشتہ دار بھی وہاں موجود تھے تھوڑی دیر گزری اور ہم آپس میں باتیں کرنے لگے۔

وہی دنیا کی نہ ختم ہونے والی باتیں جن میں نیا کچھ بھی نہ تھا۔

دفعتاً بابا جی نے اپنی بیٹی کو آواز دی کہ مجھے کچھ کھانے کو دیں بھوک محسوس کر رہا ہوں۔ بیٹی نے فوراً اسے ان کو ناشتہ کروایا اس کے بعد وہ سو گئے۔

تھوڑی دیر بعد ان کا سانس تیز ہونے لگا تو ہم سب پریشانی سے ان کے پاس آ بیٹھے۔

فضا میں عجیب بوجھل پن سا در آیا۔ جب موت کی ساعت آتی ہے تو ہر شے پہ ویرانی چھانے لگتی ہے سب پرایا لگنے لگتا ہے اور ایک اللہ کے قرآن کے علاوہ کسی شے میں پناہ لینے کا دل نہیں چاہتا۔

میں نے مدھم آواز میں قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ تلاوت کرتے کرتے دیکھا تو وہ جاگ چکے تھے مگر سانس تیز تھا نگاہ وہاں جاتی تھی جہاں کسی دوسرے کی نہیں پہنچ سکتی۔

ایسے جیسے کوئی چاپ ان کو سنائی دیتی ہو۔ جیسے کوئی چوکھٹ پہ کھڑا ان کو تک رہا ہو۔ مقررہ وقت آنے سے قبل کے لمحے اور سانسیں گن رہا ہو۔

میرا دل ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا میں نے اونچی آواز میں کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔

جیسے ہی میں کلمہ پڑھتا اور بابا جی کی سماعت سے اللہ کے پاک الفاظ ٹکراتے تو گویا وہ متوجہ ہو جاتے اور چہرہ پر شادابی سی آ جاتی۔

جیسے ہی خاموش ہوتا یا لمحے بھر کا توقف کرتا تو وہ میری طرف دیکھنے لگتے۔

بے بسی سی بے بسی تھی۔

میری والدہ جو وہاں موجود تھیں انہوں نے بابا جی کی آنکھیں پڑھ لیں مجھے کہنے لگیں، بابا جی چاہ رہے ہیں تم کلمہ پڑھتے رہو۔ میں نے پھر پڑھنا شروع کر دیا اور پڑھتا رہا وہ انتظار کی ساعتیں تھیں۔ ہمارا ایک ایک سانس مشکل سے چلتا تھا اور چوکھٹ پہ کھڑا کوئی سانسیں گن رہا تھا میں کلمہ پڑھتا رہا۔

اسی کیفیت میں بابا جی نے سر اٹھایا اور واضح الفاظ میں کہا اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدًا رسول اللّٰہ اور اس کے ساتھ ہی سانسوں کی گنتی تمام ہوئی۔

ان کی روح پرواز کر گئی اور دنیا والوں نے ان کو کھو دیا۔

اللہ بابا جی کی بخشش فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ان خالہ زاد نے مزید بتایا کہ اس کے بعد کئی مرتبہ بابا جی کو خواب میں دیکھا اور الحمدللہ اچھی حالت میں دیکھا۔

چند دن قبل کا واقعہ بتاتے ہوئے وہ کہنے لگے کہ ہم سے فجر کی نماز میں کچھ کوتاہی ہو رہی تھی کہ رات خواب میں فوت ہو جانے والے ایک شخص کو دیکھا اور ان سے پوچھا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا: مزے میں ہوں، جنت میں ہوں! اس پر میں نے بابا جی کا پوچھا وہ کہاں ہیں؟ تو انہوں نے بتایا: وہ تو ہمارے سردار ہیں!

اس پر خاندان میں سے فوت ہونے والے ایک اور فرد کا پوچھا تو انہوں نے جواب دیا وامہ ھاویة میں نے پوچھا کیوں؟ تو کہنے لگے وہ نماز صحیح نہیں پڑھتے تھے۔

میرے کزن کہتے ہیں یہ سن کر بدن کا پور پور لرز گیا۔ میں نے توبہ کی اور فوراً نماز کی طرف بھاگا۔ گھر میں یہ طے کیا کہ جو فجر کی نماز میں سستی کرے گا اور وقت پر ادا نہیں کرے گا وہ سو روپیہ جرمانہ جمع کروائے گا۔

کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے ایمان کی تکمیل اپنے عمل سے کریں اور موت کو ایسے ہی سنجیدگی سے لیں جیسے زندگی کو لیتے ہیں؟ اس پر سب گھر والوں نے نماز کی پابندی شروع کر دی۔ الحمدللہ

اللہ کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنا کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ لہٰذا اطاعت الٰہی کے مطابق زندگی گزارتے چلے جائیں۔

ہوسکتا ہے موت کی بے ہوشیوں میں مبتلا کوئی چاہتا ہو کہ اس کے منہ سے کلمۂ شہادت جاری ہو سکے مگر یہ اس کے بس کی بات نہ ہو اور وہ اس وقت قریب موجود لوگوں کی مدد کا محتاج وطلب گار ہو۔ کلمة اللہ کے ساتھ دنیا سے رخصتی پر کسی قریب المرگ کی مدد کرنا بھی بہت اعلیٰ پائے کی نیکی ہے۔

فرماں بردار زندگی

طاہرہ اعجاز

میرے نانا ابو کی زندگی کا جو باب ہماری نگاہوں کے سامنے سے گزرا، اس میں میں نے ہمیشہ دیکھا کہ وہ اللہ کی فرماں برداری کرتے رہے۔

وہ ان لوگوں میں سے تھے جو بڑے گناہوں سے بچتے ہیں تو اللہ خود ہی ان کے چھوٹے گناہ ان سے دور فرما دیتا ہے۔ وہ اپنی نمازوں کی ہمیشہ حفاظت کیا کرتے تھے۔

انہوں نے یہ راز پا لیا تھا کہ نماز وہ کنجی ہے جس کے بغیر فلاح کا کوئی قفل نہیں کھلنے والا۔

یہ چابی اب بہت سے انسانوں سے کھو گئی ہے اور ڈھونڈنے والوں کو یہ تک نہیں معلوم کہ اسے ڈھونڈنا کہاں ہے۔ نفس کے سمندر کی تہہ میں مدفن کسی صندوق میں یا خواہشات کے صحرا کی سونے کی مانند چمکتی ریت میں؟

مگر جتنا میں نے ان کو دیکھا نانا جان نے وہ چابی سنبھالے رکھی۔

مجھے یاد ہے کہ جیسے وہ نماز کو نیند سے بہتر سمجھتے تھے ویسے ہی نیند کو بھی عبادت بنا لیتے تھے۔

ان کا معمول تھا کہ جب سونے کے لیے لیٹتے تو دائیں کروٹ پر لیٹتے اور کروٹ لیتے ہوئے اللہ اکبر اور دیگر تسبیحات کہتے تھے۔

جس دن ان کی وفات ہوئی اس دن وہ نماز فجر پڑھ کر واپس آنے کے بعد سیدھے لیٹ گئے اور چادر منہ پر ڈال لی۔ کچھ دیر تک کوئی آواز نہ آئی تو گھر والوں نے دیکھا وہ فوت ہو چکے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے! آمین۔

موت اچانک آئے یا لمبی تکلیف کے بعد، جس کو ہر حال میں اللہ کے نام سے زبان کو تر کرنے کی عادت ہو اس کا آخری کلام بھی ذکر الٰہی ہوتا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

حسن سلوک کا اچھا بدلہ

مہ پارہ صغیر

تپتے جھلساتے صحرا میں اچانک سے پانی کا چشمہ سامنے آجائے تو انسان کو زندگی کی ہر پریشانی بھول جاتی ہے۔ کچھ لوگ حقیقتاً اسی طرح دوسروں کی پیاس بجھاتے ہیں۔

جو قصہ میں آپ کو سنانے جا رہی ہوں یہ مجھے میرے ابو نے سنایا تھا۔ گاؤں میں ابو کی کافی زمینیں تھیں۔ کچھ زمینیں اور کھیت گھر سے بیس، پچیس منٹ کی مسافت پر تھے۔

ابو دن کو کام کرنے کھیتوں پر جاتے۔ وہاں قریب میں ایک بوڑھی عورت کا گھر تھا۔

کام کے دوران اگر کسی کو پیاس لگتی تو اس بوڑھی عورت کے گھر سے پانی پی لیتے۔ وہ کافی مسافت سے جا کر پانی لاتی اور صحن میں موجود منڈیر پر رکھ دیتی تھی۔ اس نے کبھی کسی بے زاری یا تنگ دلی کا اظہار نہ کیا۔ ہر موسم میں اس کی منڈیر پہ پانی موجود ہوتا۔ لوگ اس کے ساتھ اچھا کریں یا برا، وہ بلا تفریق کے پانی پلاتی رہیں۔

صرف یہی نہیں بلکہ جب فصل تیار ہو جاتی اور کٹائی کے بعد ساری فصل اٹھا کر لے جانا مشکل ہوتا تو فصل کا کچھ حصہ بھی اس کے گھر رکھ دیا جاتا۔ وہ اس فصل کو امانت کے ساتھ باحفاظت رکھتی۔ کئی کئی دن فصل وہیں پڑی رہتی لیکن کبھی اس نے کسی تنگ دلی کا اظہار نہ کیا بلکہ ہمیشہ وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کرتی۔

ایسے بے غرض لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا مقام ہوتا ہے؟ کبھی کبھار اللہ اپنے بندوں کو دکھانے کے لیے ایسے واقعات رونما کر دیتا ہے۔

اس بوڑھی عورت کا گھر جس جگہ پر تھا وہ کچھ سالوں کے بعد ایئر پورٹ بنانے کے لیے استعمال ہوئی تو وہاں پر مدفون میتوں کو دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے نکالا گیا۔

ابو نے بتایا کہ تقریباً پانچ یا چھ سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصے بعد جب اس خاتون کی لاش کو وہاں سے نکالا گیا تو اس کے کفن پر ایک داغ بھی نہ تھا۔ صاف ستھرا کفن تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی

مغفرت فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ جو اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے، ان کے لیے اپنا دل صاف شفاف اور کھلا رکھتا ہے، ان کی ہمدردی و خیر خواہی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ اچھا ہی معاملہ کرتے ہیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نیک تربیت کا اچھا انجام

ثمینہ ثروت

میرے والد کا تعلق ضلع جہلم کے علاقہ دینہ سے تھا۔والد صاحب نے ابتدائی تعلیم اسلامیہ سکول راولپنڈی سے حاصل کی ۔ دینی تعلیم وتربیت اپنے شفیق و نیک والد محترم محمد فضل حق سے حاصل کی جو فوج میں ملازم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے محلے کی مسجد کے امام بھی تھے۔

انتہائی نرم طبیعت کے مالک، کم گو انسان تھے۔کثرت سے دینی کتب کا مطالعہ اور کثرت سے ذکر میں مشغول رہنے والے تھے۔

ان کے زیر سایہ تربیت پانے کے باعث میرے والد کی طبیعت شروع ہی سے نیکی کی طرف مائل تھی۔چھٹیوں میں آبائی گاؤں جاتے تو دور دراز کھیتوں کی طرف نکلتے وقت اپنا لوٹا اور جائے نماز ساتھ لے کر جاتے۔فجر کی نماز کے لیے اپنے والد سے گزارش کرتے کہ میاں جی صبح صرف اتنا کہہ دیجیے گا کہ ''فجر کا وقت ہوگیا ہے'' میاں جی ایسا ہی کرتے اور یہ سنتے ہی وہ اٹھ جاتے۔

بلاناغہ صبح کی تلاوت ان کا معمول تھا۔عبادات کی احسن ادائیگی کے ساتھ ساتھ دنیاوی معاملات میں بھی محتاط، میانہ رو اور سنت پر چلنے والے انسان تھے۔

میں نے اپنی زندگی میں اتنی متوازن شخصیت نہیں دیکھی ۔25 سال ایئر فورس کی ملازمت کے دوران ان کی رپورٹ میں ایک بھی ''چارج'' (معمولی غلطی) نہ تھا جس پر ان کے افسران حیرت زدہ تھے۔

خاندانی معاملات میں ان کا رویہ انتہائی مدبرانہ اور انصاف پر مبنی تھا۔خاندان کے کسی فرد سے کبھی ناراضگی نہ ہوئی۔ ہمارا گھر وہ واحد گھرانہ تھا جہاں ایک دوسرے سے ناراض رشتہ دار بھی اکٹھے ہوتے تھے وہ رشتوں کو جوڑ کر رکھنے والوں میں سے تھے۔

وفات سے پندرہ سال قبل والد صاحب کو جوڑوں کے درد کی تکلیف لاحق ہوگئی۔

درد اتنا شدید اور تکلیف دہ ہوتا کہ ہر کروٹ پر ان کی کراہ نکل جاتی تھی۔ وہ اپنا کمبل بھی ہاتھ

سے کھینچتے تو درد سے کراہ اٹھتے ۔دوران وضو سوئیٹر وغیرہ اتارتے ہوئے شدت درد سے جب وہ اللہ کو پکارتے تو مجھے لگتا کہ جیسے میرا دل کسی تیز دھار چیز سے کاٹا جا رہا ہو۔

پندرہ سال تک اسی تکلیف کے ساتھ تمام نمازیں باجماعت اور تہجد ادا کرتے رہے۔اپنے چاروں بیٹوں کو بھی سختی سے مسجد لے کر جاتے۔

رزقِ حلال کماتے ہوئے کسی ادنیٰ اصول کی بھی کمی ان میں نہیں دیکھی۔نہ جھوٹ، نہ وعدہ خلافی، نہ بہت بھاؤ تاؤ، نہ دھوکا۔مسکراہٹ کے ساتھ انتہائی صاف گو!

ان کا آخری وقت بھی لاجواب تھا19 نومبر کی سرد شام کو مغرب کی نماز کے بعد معمول کے مطابق تسبیح پڑھ رہے تھے۔درمیان میں میری والدہ سے بات چیت بھی کر لیتے۔ذکر کے دوران ان سے پوچھتے کہ کیا پڑھوں؟ شاید وہ اپنے عمل کے ثواب میں ان کو بھی شامل کرنا چاہتے تھے۔

آخری بات جو انہوں نے کہی وہ یہ تھی کہ بس ایک نماز رہ گئی ہے (یعنی عشاء)۔والدہ نے ازراہِ مذاق کہا آپ کی ایک رہ گئی ہوگی ہماری صبح سے دوبارہ شروع ہو جائیں گی۔

آخری ذکر آیت کریمہ **لاالہ الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین** کر رہے تھے کہ غنودگی میں چلے گئے۔ساتھ ہی میری والدہ نے غرغرہ کی آواز سنی۔وہ گھبرا کر پاس گئیں تو وہ خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔(انا للّٰہ وانا الیہ راجعون)

ان کی اس دن کی واقعی ایک نماز رہ گئی تھی۔

جو تسبیح ان کے ہاتھ میں تھی اسے دوران غسل ان کے ہاتھوں سے اتارا گیا تو ان کی انگلیاں تسبیح کرنے کی حالت میں تھیں۔

فیملی ڈاکٹر کو بلایا گیا جن کا کہنا تھا کہ ان کے جسم کے کسی حصے میں بظاہر موت کی کسی اذیت کے آثار نہیں۔والد محترم کا چہرہ اس بات کا غماز تھا کہ وہ بہت پرسکون ہیں جیسے مسکرا رہے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ہوں۔انتہائی روشن،سفیداور پرسکون۔

ان کی وفات کے بعد بھی ان کی شفیق ہستی کے آثار باقی رہے۔نومبر کی سرد اور لمبی رات میں میت کی موجودگی میں تمام اہل خاندان پر عجیب سکینت چھائی رہی۔تمام افراد بشمول میری والدہ ہم سب سوگئے سحری کے وقت سب اٹھ گئے اور نماز ادا کی۔

آج ان کی وفات کے چھ سال بعد ان کے بچے ان کے نقش قدم پر حسب توفیق چل رہے ہیں۔میرا قرآن کورس بھی ان کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا ان شاءاللہ۔

کردار کی مضبوطی،اہل وعیال کے لیے دینی خیر خواہی،دائمی بیماری کے باوجود نمازوں کی پابندی اور ذکر الٰہی کی کثرت جیسے نیک اعمال،خاتمہ بالخیر کا یقینی ذریعہ ہیں۔

جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی رحمتوں کے طلب گار ہیں انہیں اعمالِ صالحہ کو اپنی زندگی کا لازمی جزو بنانا چاہیے۔

صبر اور دعا کا فائدہ

طیبہ اخلاق

جو واقعہ میں سنانے جا رہی ہوں یہ ان نیک خاتون کا ہے جو کسی زمانے میں ہمارے پڑوس میں رہا کرتی تھیں۔وہ میری کچی عمر کی پکی یادوں میں سے ایک ہیں۔

کچھ لوگوں کے گرد ایک ٹھنڈی میٹھی روشنی کا ہالہ سا ہوتا ہے جیسے اندھیری رات میں پگھلی چاندی کا کوئی چشمہ ہو۔یہ نور نہ چلوں سے ملتا ہے نہ کسی نسبتی سلسلے کی دین ہوتا ہے۔یہ تو مہربانی اور سخاوت کے باعث عطا کیا جاتا ہے مگر ان کو جو خود بھی اس سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

جن پڑوسن کا میں ذکر کر رہی ہوں وہ بھی ایسی ہی شخصیت کی مالک تھیں۔دریا دل اتنی کہ چار یا پانچ ایسے مسکین بچوں کی پرورش کی جن کو حالات نے ان سے جا ملایا تھا۔

صابر اور شاکر اتنی کہ ایسی عمر میں جب انسان اولاد کو جوان ہوتے دیکھ کر یوں خوش ہوتا ہے گویا پکے پھلوں کا باغ ہو جس کے لیے ساری عمر ریاضت کی ہو اور یہ فخر اور خوشی بوڑھی ہڈیوں کو توانائی بخشتی ہے۔اس عمر میں ان کا جوان بیٹا قتل ہو گیا اور ایک انسان کا قتل اس سے جڑے سارے انسانوں کے قتل کے برابر ہی تو ہوتا ہے ایسے میں بھی ان کے دل پہ جو گزری سو گزری مگر زبان سے ہم نے کبھی نہیں سنا کہ کوئی ناشکری کا کلمہ نکلا ہو۔

انہوں نے ایک آیت **ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار** کو اپنا لیا اور ایسا اپنایا کہ ہر وقت زبان کو اس آیت سے تر رکھتیں صبح شام یہی دعا مانگتی رہتیں۔

شاید 80 برس کی عمر ہو گی جب ایک روز ان کے سر میں اچانک بہت تیز درد شروع ہوا تکلیف بڑھتی گئی یہاں تک کہ ہوش وحواس بھی جاتے رہے۔اپنی کسی اولاد یا زیرِ پرورش بچے کی بھی پہچان نہ رہی۔

لیکن اگر کچھ یاد تھا تو وہ یہی آیت تھی اسی کو دہراتی رہتیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

جیسے جیسے حالت بگڑی یادداشت نے مزید ساتھ چھوڑا۔کبھی یہ آیت پوری پڑھ لیتیں کبھی بھول جاتیں درمیان سے الفاظ ٹوٹنے لگتے پھر ہر آنے جانے والے سے کہتیں مجھے دعا سناؤ! میں بھول گئی ہوں۔

الحمدللہ! غنودگی اور نزاع کے عالم میں بھی اسی قرآنی دعا کے الفاظ زبان پر تھے۔

وہ دنیا میں بھی اپنے کردار وصفات سے اچھے اثرات چھوڑ کر رخصت ہوئیں اور امید کی جا سکتی ہے کہ لوگوں کی اچھی گواہی آخرت میں بھی انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کا حق دار بنائے گی۔

نیک لوگ یہ شعور خوب رکھتے ہیں کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے اسی لیے وہ اسے، اسی کی راہ میں، اسی کے بندوں کی خدمت کے لیے وقف کرتے ہیں اور جان ومال کا نقصان ہو جائے تو بھی بکھرنے اور ٹوٹنے کی بجائے اللہ تعالیٰ ہی سے مدد اور صبر کی توفیق طلب کرتے ہیں۔اسی میں دونوں جہانوں کی بھلائی ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

مذاق اڑانا۔ایک ناپسندیدہ کام

طیبہ اخلاق

بعض واقعات کی تکلیف انسان کو ساری عمر یاد رہتی ہے۔کبھی پچھتاوا اور کبھی روگ بن کر۔ میں ایک استاد ہوں اور یہ واقعہ میرا آنکھوں دیکھا ہے جو مجھے اکثر راتوں کو بھی بے چین کر دیتا ہے۔

ہمارے گاؤں میں ایک عورت بہت مذاق کرتی تھی۔ ہر آنے جانے والے سے مضحکہ خیز گفتگو کرتی اور ساتھ رہنے والی عورتوں کو ہر وقت ہنساتی رہتی اور کسی نہ کسی شرارت کے موڈ میں رہتی۔

مذاق کرنا، دوسروں کو ہنسانا، یہ حد میں رہے تو اچھا لگتا ہے مگر جہاں یہ کسی کی دل آزاری کا سبب بن جائے، کسی کی نقل اتار کر اس کو دکھ دینے کا باعث بنے وہاں تعلقات بگڑتے ہیں اور جھگڑا وفساد کا سبب بنتے ہیں وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ''اور اللہ کو فساد پسند نہیں ہے''۔

اس عورت کی باتیں بھی بعض اوقات دل دکھا دیا کرتی تھیں۔

ایک دن گاؤں کی ایک بوڑھی عورت نے اس سے کہا کہ ہنسانے اور دوسروں کی نقلیں اتارنے سے عذاب ملتا ہے اور مرنے کے بعد اس کا حساب ہوگا۔اس نے جوابًا کہا کہ میں (نعوذ باللہ) فرشتوں سے بھی مذاق کروں گی اور جواب میں گونگی بن جاؤں گی۔

اس کے اس جواب کو سوچ کر مجھے آج بھی افسوس ہوتا ہے اور دل بری طرح سے دکھتا ہے۔

اتفاق کہیے یا کیا، کہ چار پانچ سال کے بعد اس عورت کو زبان کا فالج ہو گیا۔

اب وہ منہ سے ایک لفظ ادا نہیں کر سکتی تھی اور اشاروں میں بات کرتی اور بہت روتی تھی پھر اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی۔

مجھے اس کی موت کے وقت بہت دھچکا لگا کہ کاش وہ ایسے الفاظ منہ سے نہ نکالتی۔

میں اللہ سے امید کرتی ہوں کہ اللہ اس کو اس کے بڑھاپے کے آنسوؤں کے سبب، اس کی نادانی پہ اس کا افسوس اور پچھتاوا دیکھ کر اس کو معاف فرمائے اور ہم سب کو بھی معاف فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اچھی بات کہنے کی توفیق دے۔آمین۔

کیونکہ لوگ چلے جاتے ہیں، پچھتاوے پیچھے باقی رہ جاتے ہیں۔

اللہ کے ممنوعہ امور کا ہٹ دھرمی سے ارتکاب مصیبتوں کا سبب بنتا ہے۔

بہت ہنسنے، دوسروں کا مذاق اُڑانے، نقلیں اُتارنے اور نصیحت کرنے والے کی بات کو قبول کرنے کی بجائے اسے ٹھٹھے میں اُڑا دینے سے مومن کو بچنا چاہیے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

جنازہ پڑھنے کا عمل خیر

جمیل فاطمہ

میں جب زندگی اور موت کے بارے میں سوچوں تو روز رات کا سونا اور صبح کا جاگنا ذہن میں آجاتا ہے۔ میں نے اکثر محسوس کیا ہے کہ میں جو بات سوچتے ہوئے سوتی ہوں جاگتے وقت پہلا خیال اسی چیز کا آتا ہے۔ گویا درمیان کی نیند کا وہ غیر محسوس دورانیہ کبھی آیا ہی نہ تھا ایسے ہی جب ماموں کی زندگی کو یاد کروں تو اس کی وجہ بھی سمجھ آنے لگتی ہے۔

میرے ماموں راولپنڈی کے ایک گاؤں منٹور میں رہتے تھے۔ وہ پانچ وقت کے نمازی تھے۔ اپنی عبادتوں اور اچھے اخلاق کے علاوہ ان کی وہ ایک ایسی عادت جو آج بھی جانے کتنے لوگوں کو یاد ہوگی، وہ ان کا نمازِ جنازہ پڑھنا تھا۔

عادتیں انسان کو بناتی ہیں اور عادتیں انسان کو بگاڑتی ہیں۔ ایک اچھی عادت پر ماموں نے دوام اختیار کیا پھر کوئی موسم کوئی مجبوری نہیں دیکھی۔

وہ گاؤں کا ہر جنازہ پڑھنے جاتے تھے خواہ کوئی غریب ہو یا امیر، رشتے دار ہو یا اجنبی ان کے لیے یہی کافی تھا کہ ایک مسلمان کی مہلت تمام ہوئی۔ وہ مسلمان اپنے رب کے پاس جا رہا ہے تو اسے ایک مسلمان کی طرح دعاؤں میں رخصت کرنا چاہیے۔

اِدھر مسجد میں اعلان ہوتا کسی جنازے کا اُدھر وہ وضو کر کے نماز کی ادائیگی کے لیے چل پڑتے۔

وہ بھی ایک ایسا ہی دن تھا جب ماموں نماز پڑھ کر مسجد سے گھر واپس لوٹے ہی تھے کہ جنازے کا اعلان ہوا۔ اپنی بیوی کو بتا کر وہ فوراً جنازہ پڑھنے کے لیے نکل گئے۔

راستے میں نوجوانوں کا ایک گروہ ملا تو ان سے کہا کہ میرے ساتھ جنازہ پڑھنے چلو۔ خود بھی چونکہ لیٹ ہو رہے تھے اس لیے بھاگتے ہوئے گئے اور جنازہ ادا کیا۔

ابھی وہیں کھڑے ہی تھے کہ آس پاس کے لوگوں نے دیکھا کہ ماموں گر گئے ہیں لوگ ان کی جانب لپکے مگر اس سے پہلے کہ کوئی کچھ بھی کر پاتا ان کی سانسوں کی ڈور ٹوٹ گئی۔

اسی جنازہ گاہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض فرمائی جہاں جانا ان کی عادت بن چکا تھا۔
انسان کا نیک عمل چاہے چھوٹا ہو یا بڑا اس کو عادت بنا لینا اللہ سبحانہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ جیسے انسان کو اسی خیال پہ جگاتا ہے جس پہ سلایا تھا ویسے ہی موت کے وقت اسی کام کو اس سے کرواتا ہے جسے ساری زندگی انسان نے اپنی مرضی سے کیا ہوتا ہے اور یہی کام پھر قیامت کے دن انسان کے لیے گواہ بن جاتے ہیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نابینا ہونے پر صبر

عروسہ ممتاز

میں نے اور آپ نے زندگی میں بہت سے لوگ دیکھے ہوں گے جو بڑی بڑی تکلیفوں سے گزرتے ہیں پھر بھی صبر وشکر کرتے ہیں، ہم ان کی ہمت کو سراہتے ہیں، ان پہ ایک ''Wow'' کہہ دیتے ہیں اور پھر آگے بڑھ جاتے ہیں اور چند دن میں انہیں بھول بھی جاتے ہیں۔
البتہ ان لوگوں کی تکلیف پہ دل اندر تک کٹ جاتا ہے، ان کے صبر وشکر پہ آنکھوں میں واقعتاً آنسو آتے ہیں جن سے ہمارا خون کا یا دل کا رشتہ ہو۔ ان کی تکلیف تو گویا اپنے دل کے اندر محسوس ہوتی ہے اور میں نے بھی ایک عرصہ دراز تک اپنے دادا کی تکلیف کو محسوس کیا ہے۔
دادا ابو کا تعلق مری کے ایک گاؤں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سی زمین اور جائیداد کا مالک بنایا تھا مگر انہوں نے اس ملکیت کے باوجود اپنے اصل مالک کو نہیں بھلایا۔ ایک زمانہ گواہ تھا کہ کتنے انصاف اور خوش اسلوبی سے انہوں نے وہ جائیداد اپنی اولاد اور بھائیوں میں بطورِ وراثت تقسیم کر دی تھی۔
وہ ایک محنتی انسان تھے، اللہ کے دیے ہوئے رزق سے خوب خوب فائدہ اٹھایا، اپنی زمین پر بہت محنت کی اور پھر نفع کو اپنے تک محدود نہیں کیا دوسروں میں بھی بانٹا۔ وہ غریبوں اور مسکینوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ شاید ہی ایسا ہوا ہو کہ ان کے ہاں سے کوئی خالی ہاتھ گیا ہو اور پھر جو دل کی تنگی سے بچا لیا گیا وہ تو فلاح پا گیا۔ ''پس اللہ سے ڈرو جتنی تم استطاعت رکھتے ہو، سنو اور اطاعت کرو اور اپنے نفس کی بہتری کے لیے خرچ کرو جو کوئی اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔ (التغابن :16)
دادا بہت صبر کرنے والے انسان تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا سانحہ اس وقت دیکھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دونوں آنکھوں کی بینائی لے لی۔
یہ ایسی آزمائش تھی جس کا حال وہی جان سکتا ہے جس پہ گزری لیکن اگر اس آزمائش میں پڑنے

والا اپنے حال کا شکوہ ہی نہ کرے تو ایسے انسان کے بارے میں سوائے تعریف کے اور کیا کہا جائے؟

دادا ابو نے دیکھے بغیر بارہ، تیرہ سال کا عرصہ گزارا۔کبھی اللہ تعالیٰ سے شکوہ یا بے صبری نہیں کی۔میں نے ان کے منہ سے ''شکر الحمدللہ'' ہی کے الفاظ سنے۔

مجھے دوسروں کا معلوم نہیں لیکن اگر میری آنکھ میں مٹی کا ننھا سا ذرہ بھی چلا جائے تو میری زندگی عذاب ہو جاتی ہے۔انہوں نے کیسے اتنے برس اس تاریکی میں اتنے سکون کے ساتھ گزار دیے میرے جیسے لوگ کبھی نہیں سمجھ سکتے۔

جتنا میں نے ان کو دیکھا، انہوں نے کبھی نماز نہیں چھوڑی۔

ہم میں سے اکثر لوگوں کی طرح ''کل سے پوری نمازیں پابندی کے ساتھ پڑھیں گے'' جیسے کھوکھلے وعدے کر کے بہانے نہیں گھڑے بلکہ نماز قائم کی۔ بیماری کی حالت میں بھی فرائض کے علاوہ نوافل کثرت سے پڑھتے۔

زندگی کے آخری سال کے علاوہ کبھی روزے نہیں چھوڑے۔تقریباً 94 سال کی عمر تک پابندی سے روزے رکھتے رہے۔نظر نہ آنے کے باوجود وہ بہت کم کسی کا سہارا لیتے۔انہوں نے اللہ پہ توکل کو اپنا سہارا بنا لیا تھا اور پھر اس کے بعد کیا کسی سہارے کی ضرورت رہ جاتی ہے؟

مجھے یاد ہے! وہ بہت کثرت سے استغفار کرتے تھے۔

موت سے تقریباً ایک ہفتہ قبل ان پر غشی طاری ہو گئی۔لیکن جیسے ہی ہوش آتا تو اپنی پانچ نمازیں پوری کر لیتے۔آخری دن بھی پانچ نمازیں پوری پڑھیں۔مغرب اور عشاء کی نماز جمع کر کے پڑھی اور باقی نمازوں کے فرض ادا کیے شاید زیادہ کی ہمت نہیں تھی۔

وفات سے قبل، آخری دو دن وہ راتوں کو سو نہ سکے اور مسلسل یہ کہتے رہے کہ ''میرے پاس قرآن پڑھو تا کہ کچھ افاقہ ہو''۔

دنیا میں آنا اور دنیا سے جانا، دونوں میں تکلیف ہے اور اس تکلیف میں وہی سب سے زیادہ یاد آتا ہے جسے سب سے زیادہ دل کے قریب رکھا ہو۔ان کا صبر اور ان کی عبادت ان آخری ساعتوں میں بھی ان کے ساتھ رہی۔

موت کے وقت غشی کی حالت میں وہ مسلسل ہونٹ ہلاتے رہے لیکن ہم ان کے پاس بیٹھے بے بس لوگ جو ان کو جاتے دیکھ رہے تھے اور کچھ کر بھی نہ پا رہے تھے قطعاً سمجھ نہیں پائے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

وفات سے ایک دن قبل میں نے ان کو کہتے سنا ''میرے پاس کچھ افراد آئے تھے اور...آج نورانی چہرے والے بچے آئے ہیں''۔

میں نہیں جانتی کہ ان کو کیا نظر آتا تھا کچھ چیزیں انسانی عقل و خرد سے اوپر کی ہوتی ہیں۔

''وجہ'' کا سمجھ آ جانا ہی کافی ہوتا ہے۔

میری اللہ سے دعا ہے کہ ان کی منزلوں کو آسان کرے، انہیں جنت کی نہروں میں سے پانی پلائے اور ان سے راضی ہو جائے! (آمین)۔

یہ وہ انسان تھے کہ جن کے صبر اور شکر نے ان کو ہمارے لیے قابلِ رشک بنا دیا۔

اللہ کی بندگی کرنے اور اللہ کے بندوں کی خدمت کرنے والے صابر و شاکر انسان کی زندگی بھی دوسروں کے لیے قابل رشک بن جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسے دنیا کے گھر سے باعزت اور سرفرازی سے نکال کر آخرت کے گھر میں داخل کرتے ہیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

موت ایک حقیقت

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

یہ واقعہ جب بھی مجھے یاد آتا ہے ایک عجیب احساس سے دوچار ہو جاتی ہوں۔

اس ایک سفر نے مجھے حاصل اور لاحاصل خواہشات کی حقیقت سمجھادی۔

حالانکہ ہوا کچھ بھی نہیں نہ کوئی حادثہ نہ سانحہ مگر موت کے خیال نے ایک روز اچانک میرے سوچنے کا زاویہ بدل دیا۔

میں آپ کو اپنے بارے میں بتاتی ہوں۔

میں پانچ بچوں کی ماں ہوں اور کافی حد تک بچوں کے ساتھ نرمی کا رویہ رکھتی رہی ہوں۔

زندگی ویسی ہی گزر رہی تھی جیسی عام مسلمانوں کی گزرتی ہے۔

پھر کچھ عرصہ قبل مجھے کینیڈا جانے کا اتفاق ہوا۔اس سفر کے تجربہ نے مجھے بہت سی باتیں سمجھنے اور بہت کچھ بدلنے پر مجبور کر دیا۔

میرے شوہر مجھ سے پہلے وہاں گئے ہوئے تھے اس لیے میں پریشان تھی کہ میری غیر موجودگی میں بچے کیا اور کیسے کریں گے؟

ائیر پورٹ پر سامان بک کروانے کے بعد بھی میں بار بار فون کر کے کبھی ایک بیٹی کو کبھی دوسری بیٹی کو اور کبھی بیٹے کو ہدایات دے رہی تھی کہ اچانک...اس ایک لمحے میں میرے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ اگر یہ میرا آخرت کا سفر ہوتا تو میں نے بچوں کو کس قابل چھوڑا ہے؟

ابھی تو سیل فون پر میں ان سے رابطہ کر سکتی ہوں اور ان کی راہ نمائی کر سکتی ہوں مگر مرنے کے بعد تو میں ان کو گائیڈ نہیں کر سکوں گی۔

یہ وہی کچھ کریں گے جو میں نے ان کی تربیت کی ہوگئی۔وہ بے بسی اور حیرانی کا ایسا عجیب لمحہ تھا کہ میں بالکل گم صم ہو کر رہ گئی انہی وسوسوں میں غلطاں میں آگے آئی۔

وی.آئی.پی لاؤنج اور پھر بزنس کلاس میں سفر کرنے کی وجہ سے مجھے عام مسافروں کی نسبت

خاص مراعات حاصل تھیں جن کی وجہ سے لمبے چوڑے مراحل سے گزرے بغیر ہی مجھے جہاز پر پہنچا دیا گیا جس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا مگر میری سوچیں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔

میرے ذہن مین ان گنت سوال پیدا ہو رہے تھے۔اس دنیا میں تو وسائل کی وجہ سے فائدہ اٹھالیا کیا آخرت میں میرے اعمال اس قابل ہوں گے کہ وہاں پر میرا حساب جلدی اور آسانی کے ساتھ ہو جائے اور میں ایک بہتر مقام پاسکوں؟

میرے پاس جواب نہیں تھے۔ایک عرصے بعد میسر آنے والی اس تنہائی نے جس میں میں ایک ہجوم کے درمیان بھی بالکل اکیلی تھی مجھے بہت کچھ سوچنے کا موقع فراہم کیا تھا جو شاید گھر اور زندگی کے دوسرے بکھیڑوں میں برسوں سے نہیں سوچ پائی تھی۔

جہاز میں جب میرے سامنے کھانا آیا تو نوالہ منہ میں لے کر جاتے ہوئے مجھ پر یہ حقیقت کھلی کہ اپنے جس وزٹ کو میں اچانک اور بغیر پلاننگ کے سمجھ رہی تھی وہ تو اللہ کے ہاں پہلے ہی سے پلان ہو چکا تھا۔

کیونکہ آج جس رزق پر میرے نام کی مہر تھی وہ میرے گھر میں نہیں بلکہ زمین اور آسمان کے درمیان اس جہاز پر تھا۔

زندگی کیا ہے؟ تقدیر کیا ہے؟ موت کیا ہے؟ میرے ہر جواب میں صرف آنسو تھے جو تمام راستہ بے اختیار میری آنکھوں سے گرتے رہے تھے۔

میں سوچتی رہی کہ ہماری دوسری زندگی جو ایک حقیقت ہے مگر اس کو ہم خواب کی طرح سمجھتے ہیں اور یہ دنیا کی زندگی جو کہ ایک خواب بن جائے گی اس کو ہی حقیقت اور سب کچھ جاننے لگتے ہیں۔

وہ آگہی کا لمحہ تھا۔

میں نے رو رو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اپنے لیے ہدایت چاہی اور ساتھ ہی اپنے تجربہ کو

لکھ لیا تاکہ مجھے یہ حقیقت بھولنے نہ پائے۔

یہ نہ ہو کہ زمین اور آسمان کے درمیان معلق یہ سرگزشت یہیں فضاؤں میں نقش رہ جائے اور دنیا میں واپس لوٹنے پہ میں زمین اور زمین والوں کی طرف جھک جاؤں۔

الحمدللہ! دس دن بعد میری واپسی ہوئی مگر اس کے بعد سے میرا زاویہ سوچ بدل گیا۔ مستقل بنیادوں پر کام آنے والے اصولوں پر اپنے بچوں کی تربیت کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

عارضی زندگی کی حقیقت کو سمجھے بغیر ہمیشہ کی زندگی کے لیے کوشش نہیں کی جاسکتی۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

دنیا کی زندگی، آخرت کو بہتر کرنے کا موقع

نامعلوم

یہ قصہ اس رات کا ہے جب میں نے خود کو موت کے قریب پایا۔

میں کوشش کروں گی کہ اس احساس کو الفاظ میں رقم کرنے کی سعی کروں جو اپنی زندگی ختم ہوتے دیکھ کر کوئی انسان محسوس کرتا ہے۔ گو کہ یہ مشکل بھی ہے اور تکلیف دہ بھی۔

جب سے یوم عرفہ کے روزے کی اہمیت پتہ چلی تھی میں نے دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ ان شاء اللہ اس دفعہ یوم عرفہ کا روزہ رکھوں گی۔

نو ذی الحجہ کا دن آیا تو طبیعت کچھ بہتر محسوس نہیں ہو رہی تھی مگر پھر بھی روزہ رکھ لیا۔

دن میں کچھ بخار محسوس ہونے لگا لیکن اللہ کے فضل سے روزہ پورا کیا افطار کے وقت صرف شربت پیا اور ایک دو کھجوریں کھا کر دوا لے لی بمشکل عشاء کی نماز پڑھی اور سو گئی۔

تہجد کے قریب شدید بھوک محسوس ہوئی پہلے سوچا کہ بہن کو جگا دوں وہ چائے بنا دے گی پھر سوچا خواہ مخواہ ان کی نیند خراب ہو گی ایک چائے ہی تو بنانا ہے خود بنا لیتی ہوں۔

کمرے سے اٹھ کر کچن میں آ گئی۔ ماچس جلانے کی کوشش کی مگر لگ رہا تھا کہ گویا جسم کی طاقت ختم ہو رہی ہے۔ میں فرش پر بیٹھ گئی کہ کچھ طبیعت بحال ہو تو اٹھ کر چائے بنا لوں۔

ایک دم چکر آنے لگے سب کچھ گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تو میں نے دل میں کہا: کیا میرا آخری وقت آ پہنچا ہے؟ ہو سکتا ہے۔

مجھے اپنے اندر سے آواز آئی۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ میں دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔ مجھے یہ دعا یاد آئی:

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَسَكَرَاتِ الْمَوْتِ

’’اے اللہ موت کی سختیوں اور موت کی بے ہوشیوں میں میری مدد فرما‘‘۔

مجھے یقین ہو گیا کہ میرا آخری وقت آ پہنچا ہے۔

یہ ایسا لمحہ تھا جب پوری زندگی ایک فلیش بیک کی طرح آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ آپ سوچتے ہیں کہاں گئے وہ کام جن کے لیے اتنی دوڑ دھوپ کی؟ کہاں گیا وہ گھر جس کو سجانے سنوارنے میں نمازیں ضائع کیں؟ کیا ہوئیں وہ دعائیں جن کے پورا نہ ہونے پہ اللہ سے برسوں شکوے کیے؟

آج تو ہر چیز ختم ہو گئی۔ آج تو ہر شے لُٹ گئی۔

کیا ہم بہت کام کرنے والے مگر صرف تھکنے والے تھے؟

وہ لامحدود تمنائیں، وہ آرزوئیں ان سب کا کیا؟ مگر اس وقت ہر شے بے معنی لگنے لگتی ہے۔

آپ کے آگے ایک تاریک سرنگ ہوتی ہے جس کے دوسرے پار روشنی ہوتی ہے۔ کس کے لیے کتنی روشنی ہے یہ بتانے کے لیے کوئی واپس نہیں آتا...

یہ اپنے ہوش میں میری آخری سوچ تھی۔ اس کے بعد معلوم نہیں کہ میں کتنی دیر بے ہوش فرش پر پڑی رہی۔

جب کچھ ہوش آیا تو میرے کانوں میں میری امی اور بہن کی آوازیں ٹکرا رہی تھیں۔ میری بہن پانی کے چھینٹے مار کر مجھے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب میرے چہرے پر پانی کے چھینٹے پڑے تو میری آنکھیں کھل گئی۔

بہن نے اللہ کا شکر ادا کیا مجھے سہارا دیا چائے اور انڈا بنا کر کھلایا پھر میں نے فجر کی نماز ادا کی مجھے 103 یا 104 بخار تھا صبح ہوئی تو ڈاکٹر کے پاس گئی اس نے انجکشن لگا کر دوا دی بخار اتر گیا اور الحمدللہ میں ٹھیک ہو گئی۔

یہ رات میری آخری رات بھی ہو سکتی تھی!

اگلی صبح عید تھی میرے گھر والے عید کی نماز کے ساتھ میری نماز جنازہ پڑھ رہے ہوتے۔ عید

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

منانے کی بجائے میری موت پر سوگوار ہوتے!

مگر اللہ کا شکر اور احسان کہ اس نے مجھے نئی زندگی دی۔

میں نے اپنی بقایا زندگی کے لیے عہد کیا کہ میں اپنے وقت کو مزید مفید کاموں میں لگاؤں گی کوشش کر کے اپنی زندگی سے غیر ضروری کام نکال دوں گی جن کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت میں۔ گھر والوں کے حقوق بہتر طریقے سے ادا کروں گی۔ اللہ نے مجھے دین کا کام کرنے کا جو موقع دیا ہے اس کو ہاتھ سے جانے نہ دوں گی اور قرآن مجید کو ہر ہاتھ تک پہنچانے کی کوشش کروں گی۔

موت کا ایک دن مقرر ہے۔ آج نہیں تو کل مرنا ہے۔

ہمیں اس دنیا میں خود کو آنے والی زندگی کے لیے تیار کر لینا چاہیے۔ اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے میں لگا دینا چاہیے۔

دینی تعلیم سے محبت رکھنے والے کی موت

زوجہ اُسید سلیم

اللہ تعالیٰ کی یوں تو ساری باتیں بہت خوب صورت ہوتی ہیں اور جو قرآن کو صحیح سمجھ کر پڑھتا ہو وہ جانتا ہے کہ قرآنِ کریم کے ہر ایک لفظ میں خوب صورتی پنہاں ہے لیکن کچھ آیات کا حسن انسان کو سب چیزوں سے یکتا محسوس ہوتا ہے۔

میری پسندیدہ آیات میں سے ایک سورۃ کہف کی وہ آیت ہے کہ اگر دنیا کے تمام درخت قلمیں بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی اور ان کو دگنا کر دیا جائے اور اس سے اللہ کی باتیں لکھی جائیں تو سمندر اور درخت ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔

اس حقیقت کا اندازہ آپ کو کسی ایسے شخص کی صحبت میں رہ کر شدت سے ہوتا ہے جو قرآن پڑھنے کا شوقین ہو۔ اس کی ہر بات میں قرآن کا ذکر ہوتا ہے۔

اصل عالم تو وہ ہے جو علم پر عمل کرنے والا ہو ورنہ باتیں تو ہر کوئی کر لیتا ہے۔

میں آپ کو اپنے شوہر کا واقعہ سنانے جا رہی ہوں:

ان کی عمر 23 سال تھی وہ قرآن کے حافظ تھے۔ مڈل پاس کرنے کے بعد قرآن حفظ کیا اور بعد ازاں آٹھ سالہ کورس بھی کیا۔ ان کو اسی دوران شوق ہوا کہ کاش وہ بھی مدینہ یونیورسٹی جا سکیں اور وہاں سے تعلیم حاصل کر سکیں۔

میں آپ کو بتاؤں کہ انہوں نے اس تمنا کو، علم کی اس تڑپ کو پورا کرنے کے لیے بہت جدوجہد کی۔

وہ مسجد میں امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے اور ساتھ میں بچوں کو صبح شام ناظرہ بھی پڑھاتے تھے۔

زندگی میں ذمہ داریوں کا ان پر بہت بوجھ تھا۔

انہی دنوں ان کی مجھ سے شادی ہو گئی لیکن انہوں نے اپنی شادی کو اپنے علم کا سفر روکنے کا بہانہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نہیں بننے دیا۔شادی کے دن بھی انہوں نے باقاعدہ مسجد میں امامت کروائی۔

بعد میں مجھے بھی قرآن پڑھایا کرتے تھے کیونکہ انہیں بہت شوق تھا کہ ان کی بیوی بھی دینی تعلیم سے آراستہ ہو۔

اکثر کہتے کہ میں اپنی بیوی کو الہدیٰ میں داخل کروا کر مدینہ یونیورسٹی جاؤں گا پھر ہم دونوں مل کر دین کی خدمت کریں گے۔

پھر جیسا کہ عموماً گھروں میں ہوتا ہے شادی کے بعد لڑکی کی تعلیم پہ لوگ اکثر خفا رہتے ہیں۔

سو گھر کے ایک دو افراد کے سوا میرے الہدیٰ آنے پر کوئی خوش نہ تھا۔

سب کا کہنا تھا کہ بیوی کو الہدیٰ بھیج دو گے تو گھر میں دل نہیں لگے گا لیکن وہ ڈٹے رہے اور میرا داخلہ الہدیٰ میں ہو گیا۔

وہ بہت خوش تھے اور اپنے لیے بھی دعائیں مانگ رہے تھے کہ ان کا داخلہ مدینہ یونیورسٹی میں ہو جائے!

مگر انسان کی زندگی جتنی چھوٹی ہے اتنی ہی کم عمر اس کی تمنائیں ہیں۔ہم فیصلے کرتے رہ جاتے ہیں اور اوپر کوئی اور ہمارا فیصلہ کر دیتا ہے۔

میں نے یکم جنوری کو الہدیٰ آنا تھا اور ہم 18 دسمبر 2011 کو یونیفارم لینے جا رہے تھے۔

میری امّی اور بھائی بھی ساتھ تھے لہٰذا ہمیں بازار چھوڑ کر میرے بھائی کے ساتھ مسجد چلے گئے۔

ظہر اور عصر کی نماز پڑھی پھر قرآن پڑھتے رہے۔

بازار سے واپسی پر میری امّی اور وہ ایک بائیک پر بیٹھے جبکہ میں اور بھائی دوسری بائیک پر تھے۔ان کی بائیک آگے تھی اور ہم پیچھے آ رہے تھے۔

امّی نے بتایا کہ وہ قرآن کی تلاوت کرتے جا رہے تھے کہ اچانک سائیڈ پر کھڑی ایک ٹرالی کے ساتھ ان کی بائیک ٹکرا گئی۔اتنے میں ہم پیچھے سے آ گئے۔

میں نے دیکھا کہ امّی نیچے گری ہوئی ہیں اور وہ آرام سے نیچے لیٹ رہے ہیں۔جیسے کہ فرشتے لٹا رہے ہوں۔

میں نے پیچھے سے پکڑا اور سر گود میں رکھ لیا۔دیکھا کہ ناک پر چوٹ لگی ہے لیکن باقی ٹھیک ہیں۔

اللہ سے ان کی زندگی کی دعائیں کرنا شروع کر دیں۔ہسپتال جاتے ہوئے گاڑی میں اندھیرا تھا جس کی وجہ سے مجھے پتہ نہیں چلا کہ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔

میں دعائیں کرتی رہی لیکن وہ جا چکے تھے۔

جب ہم ہسپتال پہنچے تو ڈاکٹرز نے چیک کر کے بتایا کہ فوت ہو چکے ہیں تب میں نے ...انّا للہ و انّا الیہ راجعون پڑھ کر ان کی مغفرت کی دعائیں کرنا شروع کر دیں۔

مغرب کے وقت ان کی وفات ہوئی تھی۔میت گھر میں رکھی ہوئی تھی مگر اللہ کی توفیق سے وقت پر نمازیں ادا کیں۔ان کے لیے دعائے مغفرت کی اور اپنے لیے صبر مانگا۔

یہ بہت مشکل تھا، بہت ہمت کے کاموں میں سے تھا مگر وہ وقت بھی گزر ہی گیا۔اب یاد کروں تو سوچتی ہوں کہ گو کہ صرف پانچ ماہ گزارے ہم نے ایک ساتھ مگر وہ میری زندگی کا کل سرمایہ تھے۔

ہمارے دن بہت اچھے گزرے۔وہ مجھے نیک کام کرنے کی ترغیب دیتے، دعائیں یاد کرواتے اور تلاوت سنتے۔

میرا بھائی حافظِ قرآن تھا مگر نہ قرآن کی تلاوت کرتا اور نہ نماز پڑھتا تھا۔اسے قرآن بھولتا جا رہا تھا۔وہ اس سے منزل سنتے اور اس کو نماز پڑھنے کے لیے ساتھ لے کر جاتے۔

اب وہ پانچ وقت نماز پڑھتا ہے اور ان کی جگہ امامت کی ذمہ داری سرانجام دے رہا ہے الحمدللہ!

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

میرے شوہر اپنے والدین کے بہت خدمت گزار تھے۔ رات کو اپنے والد اور والدہ کو دبا کر، چائے پلا کر سوتے تھے۔

والدین بھی ان کو دعاؤں میں بہت یاد رکھتے ہیں۔ اللہ نے ان کو بہت صبر دیا ہے۔

اللہ ان کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے! اور ان کی قبر کو روشنی سے بھر دے! آمین۔

موت انسان کی گھات میں ہے جو اس کے منصوبوں اور ارادوں سے ایک طرف مقررہ وقت پر آن پہنچتی ہے۔

البتہ اعلیٰ مقصدِ زندگی اپنانا اور اپنے علاوہ دوسروں سے بھی دینی خیر خواہی کرتے ہوئے جینا اللہ کے خاص بندوں کی نشانی ہے۔

ایسے بندے خواہ کم جئیں یا زیادہ، وہ اپنی آخرت سنوارنے کے علاوہ دنیا والوں کے لیے بھی بذاتِ خود بہترین مثال اور عملی نمونہ چھوڑ کر جاتے ہیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سمجھدار اولاد کا حالت سکرات میں اچھا طرزِ عمل

فاطمہ احسان

دنیا کی کون سی اولاد ہو گی جو اپنی ماں کی تعریف نہیں کرے گی؟

باہر والوں کو لگتا ہے کہ بچے مبالغہ آرائی سے کام لے رہے ہیں مگر ہم بچے بھی کیا کریں؟

ہمارے سپر ہیروز ہمارے والدین ہی ہوتے ہیں۔ ہم ان کا نہ موازنہ کرتے ہیں نہ کسی کو ان کا موازنہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

میں بلا مبالغہ یہ بات کہہ سکتی ہوں کہ میری امی نے ہم سب بہنوں کی بہت اچھی تربیت کی۔

ہمیں مشکل حالات سے مقابلہ کرنا سکھایا ہمت، صبر اور سمجھداری سکھائی۔

میری والدہ وفات سے تین ہفتے قبل فالج کے حملہ کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہو گئی تھیں۔

یہ خبر سنتے ہی میرے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔

میں فوراً لاہور کے لیے روانہ ہو گئی اور شام تک وہاں پہنچی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی بہنوں کو غم زدہ پایا تو انہیں تسلی دی۔

ایک احساسِ ذمہ داری تھا جس کو ہر غم پہ غالب لانے کی کوشش کی پھر امی جی کو دیکھنے ہسپتال گئی۔

ان کو دیکھتے ہی معلوم ہوا کہ دل ٹوٹنا کسے کہتے ہیں۔ صدمہ اور دل شکستگی میرے اوپر چھانے لگی مگر پتہ نہیں کیسے خود کو سنبھالے رکھا۔

امی جان نہ ہل سکتی تھیں اور نہ ہی بول سکتی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی انہیں رونا آ گیا جس سے ان کا سانس پھولنے لگا۔

نرس نے کہا کہ ان کی تکلیف میں پھر اضافہ ہوا ہے یہ بات برداشت کرنا میرے لیے بہت مشکل تھا۔ سو عہد کر لیا کہ اب کمزور نہیں پڑنا۔

میں ان کے سامنے نہ خود روتی اور نہ کسی اور کو رونے دیتی بلکہ سب کو تسلی دیتی اور دعا کے لیے کہتی۔

ان کے آخری ہفتے کی تمام راتیں میں نے اور میری بڑی بہن نے ان کے ساتھ گزاریں۔

آخری چند دنوں میں میں نے دیکھا کہ وہ شہادت کی انگلی بہت اٹھانے لگی ہیں۔میں ان کے پاس قرآن کی تلاوت لگا کر رکھتی۔وہ سنتی رہتیں اور چہرہ دائیں طرف پھیرے رکھتیں۔

میں ان کے کان میں بھی تلاوت کرتی رہی۔وہ بس کھلی آنکھوں سے سنتی رہتیں۔

آخری رات جب میں نے ارادہ کیا کہ آج میں گھر رہوں گی اور میری دوسری بہن رات کو امی کے پاس رہے گی تو فون آیا کہ امی کی حالت غیر ہے تم آجاؤ۔

میں جلدی سے گئی اور دیکھا کہ ان کی سانس اکھڑ رہی ہے اتنی زور سے سانس لے رہی تھیں کہ بیڈ ہلتا تھا۔

میں دل میں دعا کرتی رہی کہ اے اللہ! جو بہتر ہے وہ کرنا۔

بہت تکلیف دہ وقت تھا امی ساری رات اسی طرح سانس لیتی رہیں اور میں ان کا پسینہ صاف کرتی رہی۔پھر میں نے ان کی آنکھیں کھول کر دیکھیں تو وہ ساکت ہو چکی تھیں، رونگٹے کھڑے تھے، بازو اور ہاتھوں کی انگلیاں ٹھنڈی تھیں۔

مجھے اندازہ ہو گیا کہ اب وقت آ گیا ہے صبح ساڑھے آٹھ بجے کے قریب ان کے دل کی دھڑکن 90 سے کم ہوتے ہوئے 70 پھر 60 اور اس کے بعد 50 سے ہوتے ہوئے 0 پر آگئی۔میں اور میری بہن مستقل ان کے دونوں کانوں میں کلمہ پڑھتی رہیں۔

پھر انہوں نے آخری بار میری طرف دیکھا۔

آپ جانتے ہیں دل کٹنا کسے کہتے ہیں؟ وہ جو ساری زندگی آپ کے آگے ڈھال بنی رہی ہو، آپ کو دنیا والوں، رشتے داروں اور تمام سرد گرم سے بچاتی رہی ہو، اس عورت کی آخری نظر کیسی تھی؟ اس میں کون سا جذبہ نہیں تھا؟ میرے آنسو میرے دل پہ گر رہے تھے اور آخری دفعہ ان کو اپنی طرف دیکھتا پایا پھر ان کے منہ سے ہوا نکل گئی۔

میں نے اپنی بہن کو گلے سے لگا کر تسلی دی۔ہم دونوں نے انہیں قبلہ رخ کیا اور گھر والوں کو اطلاع کی۔

اولاد کی دینی تربیت والدین کے لیے ہر موقع پر خیر و بھلائی اور اجر کا سبب بنتی ہے۔ہم سب کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ کسی کی بیماری یا آخری وقت کے موقع پر ہمیں کیا طرز عمل اختیار کرنا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

عارضی اور ناپائیدار رشتوں کی محبت میں مبتلا لڑکی کی موت

شازیہ پروین

تزکیۂ نفس کے لیے ہم سب کو ایک اصول بنا لینا چاہیے کہ کبھی کسی کی پریشانی کو دیکھ کر یہ خیال نہ کریں کہ یہ اس کے فلاں اور فلاں عمل کی سزا ہے۔ اعمال کو جانچنا اور ان کے لیے سزا یا جزا مقرر کرنا اللہ کا اختیار ہے۔

میرے سامنے پیش آنے والا یہ واقعہ پڑھتے ہوئے آپ اس لڑکی کو نہ جانچیے گا کیونکہ زندگی کے اختتام پر ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ کون جنتی ہے اور کون جہنمی۔

اس واقعے کے بیان کرنے کا مقصد افسوس اور دکھ کی اس کیفیت سے آپ کو آگاہ کرنا ہے جس سے یہ لڑکی اپنے آخری ایام میں گزری تھی۔

جب میری شادی ہوئی اور میں اپنے شوہر کے ساتھ کراچی گئی تو وہاں میری ملاقات میرے شوہر کے دوست کی بیوی سے ہوئی جن کا نام رابعہ تھا۔

بہت اچھی، ملنسار لڑکی تھی۔ اچھی باتیں کرتی تھی البتہ اس کی آنکھوں میں اداسی ڈیرے ڈالے رکھتی تھی۔

شروع شروع میں تو میں کبھی پوچھ نہیں سکی کچھ ہی عرصے میں ہماری اچھی دوستی ہو گئی تو ایک دفعہ اس نے یونہی باتوں میں بتایا کہ اس کی شادی اپنے والدین کی رضامندی کے بغیر پسند سے ہوئی تھی اور اس کے شوہر ان سے بہت پیار کرتے تھے۔

دونوں ایک ہی سکول میں اکٹھے پڑھتے تھے۔ ساتویں جماعت میں ایک دوسرے کو پسند کیا اور بعد ازاں شادی کرنا چاہتے تھے مگر دونوں کے گھر والے شادی کے لیے رضامند نہ تھے مگر انہوں نے لڑ جھگڑ کر منا لیا۔

اب شادی کو دو سال ہو چکے تھے۔ کوئی اولاد نہیں تھی۔ رابعہ بیمار رہنا شروع ہو گئی اس کی کمر میں ہر وقت درد رہتا علاج جاری تھا۔

اب آ کر شوہر کا رویہ بھی بدلنے لگا تھا۔

اسی دوران اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹا دیا وہ میرے بیٹے سے بہت پیار کرتی۔

جب وہ میرے گھر آتی تو بہت روتی حالانکہ میں یہ سمجھتی ہوں کہ یہ نعمتیں آزمائش ہوتی ہیں نہ ان کا ملنا آپ کی اچھائی کی دلیل ہے اور نہ ان کا چھن جانا آپ کا گناہ گار ہونا ظاہر کرتا ہے۔

اس کے اولاد نہیں تھی اس لیے نہیں کہ وہ بری تھی یا میری اولاد تھی تو اس لیے نہیں کہ میں بہت اچھی تھی۔ یہ تو صبر اور شکر کے امتحان ہوتے ہیں مگر رابعہ کے اندر کا احساس اس کو مارے جا رہا تھا۔

وہ میرے پاس آ کر اکثر رویا کرتی تھی اور افسوس سے کہتی کہ مجھے ماں باپ کا دل دکھانے کی سزا ملی ہے۔

اس کا شوہر اس سے بے زار ہو چکا تھا اور اس کو مارتا بھی تھا۔ اب وہ زیادہ وقت گھر سے باہر گزارتا اور غلط کاموں میں دلچسپی لینے لگا تھا۔

دھیرے دھیرے رابعہ کی بیماری بڑھتی گئی وہ اکیلی ہوتی اور کھانستے کھانستے بے حال ہو جاتی میں نے کچھ ہی عرصے میں ایک خوب صورت لڑکی کو اس طرح تباہی کی طرف جاتے دیکھا کہ آج بھی یاد کروں تو دل بھر آتا ہے۔

میں بہت دنوں بعد اس سے ملنے گئی تو حیران رہ گئی۔ اس کا وزن بہت کم ہو چکا تھا اور وہ صدیوں کی بیمار لگ رہی تھی۔ اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔

وہ بہت روئی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ ایک انسان کی محبت میں خود کو اتنا نہ ہلاک کرو مگر اسے شوہر کے رویے کا بہت دکھ تھا۔

میں نے اسے کچھ کیسٹس اور دعاؤں کے کارڈز دیے کہ انہیں پڑھا کرو سکون ملے گا مگر اسے کوئی چیز سکون نہ دیتی۔

وہ اپنے شوہر کو کہتی تھی ”میں نے 25 سال کی عمر تک جو خواب دیکھے وہ تم توڑ رہے ہو اتنا رحم

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کرو کہ آہستہ توڑو! ورنہ یہ غم میری جان لے لے گا''۔

میں نے اسے سمجھایا کہ اگر تمہاری نہیں نبھ رہی تو علیحدگی اختیار کر لو مگر وہ اس اُمید پر زندہ تھی کہ ایک دن اسے اس کی محبت واپس مل جائے گی۔

پھر اس نے مجھ سے وعدہ لیا کہ جب تک وہ بیمار ہے میں روز اس سے ملنے آؤں گی۔

میں روزانہ اس سے ملنے جاتی رہی آٹھویں دن جب میں اس سے ملنے جانے کی تیاری کر رہی تھی تو اس کی موت کی خبر آ گئی۔ پتہ چلا کہ اسے سوتے میں دل کا دورہ پڑا ہے۔

صرف 25 سال کی عمر میں وہ خالقِ حقیقی سے جا ملی۔ بیماری کے دوران اس کا کوئی بہن ، بھائی، ماں، باپ اس سے ملنے نہ آئے۔

میں نے پہلی دفعہ کسی مرے ہوئے انسان کو دیکھا۔ بستر پر لاغر، کمزور اور بیمار جسم پڑا تھا اور ایک طرف اس کی شادی کی تصویر تھی جس میں وہ خوب صورت شہزادی لگ رہی تھی۔

ایک انسان کی محبت نے اسے اتنا رلایا، تڑپایا کہ اس کی جان لے لی۔ اس کے جنازے میں روتے پیٹتے اور ماتم کرتے لوگ تھے۔

اس کا شوہر غم سے نڈھال دکھائی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید وہ غم زدہ ہو بھی میں یہی سوچتی رہی۔

اس کی ساس بہت رو رہی تھیں۔ اس کے ماں باپ بھی رو رہے تھے۔ یہ سب چہرے میں نے اس کی تکلیف کے وقت میں نہ دیکھے تھے۔

ایک ماہ بعد اس کے شوہر نے دوسری شادی کر لی اور پھر اس نے تیسری شادی بھی کر لی۔ کیا آپ یقین کریں گے؟

کون غلط یا کون صحیح ؟ یہ فیصلہ تو اللہ تعالی کرے گا۔

مجھے صرف اتنا سمجھ آیا کہ جیسی محبت اللہ تعالی سے کرنی چاہیے ویسی محبت جب ہم لوگوں

سے کرتے ہیں تو اللہ ہمیں اس محبت کی حقیقت دکھا دیتا ہے۔

اپنی دوست کی مغفرت کے لیے میں اللہ سے پر امید ہوں۔ اللہ نے بڑے اچھے حال میں اسے مجھے خواب میں دکھایا۔

زندگی ہمارے پاس اللہ کی طرف سے امانت ہے۔ اسے اپنے ہی جیسے انسانوں کی طرف سے ملنے والے غموں کی نذر کر دینا عقل مندی نہیں۔

ایسی کسی بھی صورت حال میں اللہ کا سہارا تھام کر اپنی ماضی کی غلطیوں پر توبہ، حالیہ رویوں کی اصلاح اور جن کا دل دکھانے کا سبب بنے ہوں ان سے معافی تلافی کر لینی چاہیے تا کہ اسی دنیا میں اپنے بوجھ ہلکے ہو جائیں اور عملی زندگی میں آگے قدم بڑھانے کی قوت، سمجھ بوجھ اور صلاحیت پیدا ہو جائے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بیٹے کی حادثاتی موت پر صبر کا اجر

ام وسیم

یہ جون 2003 کا سچا واقعہ ہے۔

میں چار بیٹوں کی ماں تھی بڑی خوب صورت زندگی گزر رہی تھی۔ بڑا بیٹا چودہ سال دس ماہ کا تھا باقی تینوں بیٹے اس کے سات سال بعد یکے بعد دیگرے ہوئے۔

میرے بڑے بیٹے نے نویں جماعت کے بورڈ کے امتحان دیے ہوئے تھے۔

جون کا گرم مہینہ تھا ہم سب مری کے لیے نکلے دو راتیں رہنے کا پروگرام تھا وہیں پر تھے کہ میرے بیٹے کا رزلٹ نکلا بہت اچھے نمبر لیے۔

رات کو ہم نے خوشی میں پر تکلف کھانا کھایا اگلے روز دوپہر کے قریب واپسی کے لیے چل پڑے۔ میرا بیٹا بہت خوش تھا جلد گھر پہنچنے کے چکر میں تھا کہ دوستوں سے شیئر کرنا ہے۔

اسی دن سوزو ایڈونچر پارک لوئر ٹوپہ کا افتتاح تھا۔ چلتی گاڑی میں کسی نے پمفلٹ پھینکا اور میرے شوہر بچوں کو اسلام آباد لانے سے پہلے اُدھر لے گئے۔

بڑا بیٹا بادل نخواستہ ہمارے ساتھ اُدھر جانے کے لیے تیار ہوا۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ سیدھا گھر آئیں تا کہ وہ اپنے پاس ہونے کی خوشی دوستوں کے ساتھ مل کر منا سکے۔

وہاں پہنچنا تھا کہ میرے شوہر کے پاؤں میں جیسے پھرکی لگ گئی چند منٹ اوپر رہ کر نیچے کی سمت چل پڑے۔

میں اور میرا بڑا بیٹا پیچھے تھے معلوم نہیں کیوں میں نیچے جانے کے لیے تیار نہ تھی۔

یہی حال میرے بیٹے کا تھا اس نے مجھے سہارا دیا ہوا تھا اور میرے جوتے ایک ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے۔ میں ننگے پاؤں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی شوہر اور باقی بچوں سے کافی فاصلے پر تھی ان لمحات میں ہم دونوں ماں بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے مکمل تنہائی فراہم کی تھی۔ ہم دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے نیچے کی طرف جا رہے تھے۔

نیچے پہنچے تو ایک عجیب و غریب قسم کا جھولا تھا۔ اس جھولے کو دیکھ کر میرے بیٹے نے اس میں بیٹھنے کی ضد شروع کر دی۔

جھولا اوپر سے نیچے کی طرف پھرتا تھا اور اس میں صرف دو لوگ سوار ہو سکتے تھے۔ بیٹھنے والے نے ایک چوکور جگہ پر کچھ اس طرح کھڑا ہونا تھا کہ لوہے کے بوٹوں کے اندر پاؤں پھنس جاتے۔ سامنے ایک لوہے کا راڈ لگا ہوا تھا جسے پکڑنا تھا اور جھولے کو پیچھے سے اس طرح زور لگانا پڑتا کہ وہ اوپر کو اٹھ جاتا پھر اوپر نیچے گھومتا رہتا۔

عجیب خطرناک سا جھولا تھا کوئی حفاظتی انتظام نہیں تھا۔ جتنا میں اپنے بیٹے کو روک رہی تھی اتنا ہی وہ مصر تھا کہ جھولا لینا ہی لینا ہے۔ آخر میرے شوہر ہر طرف سے تسلی کر کے اس کے ساتھ خود بھی سوار ہو گئے۔

دو چکر بڑے اچھے لیے وہ انجوائے کر رہا تھا۔ تیسرے چکر پر سر اوپر سے نیچے کی طرف ہوتے ہی اس کی آواز گونجی: روکو! روکو! اور ساتھ ہی وہ اوپر سے نیچے سر کے بل آ گرا اور بس۔

ہم سب کی خوشی آنسوؤں اور آہوں میں بدل گئی۔ شدید سر کی چوٹ تھی ناک کے ذریعے خون کی مسلسل دھار تھی جو رک نہیں پا رہی تھی۔

میری تو جیسے ٹانگوں سے جان نکل گئی تھی مجھے اپنے باقی تین بچوں کی کچھ پروا نہیں رہی لوگوں نے ہماری بڑی مدد کی ایک گاڑی میں میرے بیٹے کو ڈالا اور ساتھ میرے شوہر بیٹھ گئے۔

گاڑی چلانے کی ان میں ہمت نہ تھی۔ دوسری گاڑی میں مجھے میرے بچوں سمیت بٹھایا۔ سی.ایم.ایچ مری پہنچے اور گھنٹے یا پون گھنٹے میں میرا بیٹا اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔

وہ کٹھن وقت اور مسافری! ہم کس طرح اپنے جوان بیٹے کی لاش لے کر گھر پہنچے۔ یہ ہمارا رب ہی جانتا ہے۔

میرے شوہر کے منہ سے بار بار ''اللہ اکبر'' نکل رہا تھا۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

گھر پہنچتے ہی میرے شوہر نے آہستہ سے مجھے کہا: صبر کرو! بیٹا چلا گیا ہے ایمان نہیں جانا چاہیے میں آنسوؤں کی لڑیوں میں بھرپور کوشش میں تھی کہ کہیں زبان سے کوئی غلط بات نہ نکل جائے۔

اس وقت تک مجھے دین کی زیادہ سمجھ نہیں تھی۔ کچھ چیخ وپکار کی ویسے عادت نہیں تھی کچھ شوہر کی تنبیہہ کے پیش نظر میں بس روتی رہی۔

مجھے اس وقت نہ کسی اجر کا علم تھا اور نہ یہ سمجھ کہ صبر کا کیا درجہ ہے۔ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ جو بھی تعزیت کو آتا، پوچھتا کہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ ہم دونوں بار بار الف سے یے تک کہانی دہرانا شروع کر دیتے۔

میری دماغی حالت تو بالکل بے کار ہو چکی تھی۔ اللہ نے بیٹا ایک مرتبہ فوت کیا لیکن لوگ ہم سے اس کی موت کا واقعہ بار بار سن کر ہماری تکلیف میں اضافہ کر رہے تھے۔

میں نے کئی لوگوں سے کہا یہ تو ہونا ہی تھا ہم مری نہ بھی جاتے تو پھر بھی یہ ہوتا۔ وہ جھولے سے نہ گرتا تو تو کوئی اور حادثہ ہو سکتا تھا۔ اللہ نے باقی بچوں کو محفوظ رکھا اللہ نے جو کیا اچھا کیا۔

میں نے سی.ایم.ایچ میں سجدے میں گر کر اللہ سے اپنے بیٹے کی مکمل صحت مانگی تھی۔ اللہ کو اس کی صحت منظور نہیں تھی۔ اس کی ساری زندگی ویل چیئر پر معذور حالت میں گزرتی۔ شکر ہے اللہ نے ہمیں اس امتحان میں نہیں ڈالا۔

کبھی کہتی دیکھو اللہ کتنا غفور رحیم ہے۔ زندگی، موت اس نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ اگر وہ دونوں باپ بیٹوں میں سے میری مرضی پوچھتا کہ بتاؤ تجھے واپسی پر کسی ایک کو زندہ ساتھ لے جانا ہے تو میں کس کا نام لے پاتی؟

حقیقت میں موت کو اتنا قریب سے پہلی بار دیکھا تھا۔ ہم کوئی خاص دین دار لوگ نہیں تھے کہ علم ہوتا کہ ایسے موقع پر کیا ردعمل ہونا چاہیے۔ بس اللہ نے ہی ہماری راہ نمائی فرمائی کہ ہم نے

نہ قل کیے نہ چہلم نہ برسی۔

اس کا اجر اللہ نے ہمیں یہ دیا کہ ٹھیک بیٹے کی وفات کے پندرہ دن بعد عمرہ کی سعادت کے لیے مسجد حرام میں تھے۔ وہاں جا کر دعائیں مانگنے کی جو توفیق ملی وہ ہمارے صبر ہی کا پھل تھی۔

اس کے بعد اوپر تلے دو مرتبہ عمرہ کیا، دو مرتبہ حج کیا۔ پہلے اسکارف پہنا پھر گاؤن پہننا شروع کیا۔

چھوٹے تینوں بیٹے اپنے سکول اور کالج کی پڑھائی کے ساتھ آٹھ آٹھ، دس پارے حفظ کر چکے ہیں۔

میں نے اور میرے شوہر نے مختلف تفاسیر پڑھیں پھر میں نے باقاعدہ تجوید سیکھی آخری پارہ حفظ کیا۔ گھر میں درس شروع کروایا اور مزید علم حاصل کر رہی ہوں۔

ہمارا صبر غیر دانستہ یا انجانے میں تھا لیکن اس کا صلہ اتنا اچھا ملا کہ اس نے ہم جیسے گناہ گاروں کو سیدھے راستے پر ڈال دیا ہے۔

یقیناً وہ میرے بیٹے کا بھی بہترین وارث اور محافظ ہے۔

امتحان یا آزمائش ہماری بہتری ہی کے لیے ہوتے ہیں۔ ان پر صبر سے گزرنا کٹھن ضرور ہے مگر یہ انسان کو ایسے صاف ستھرا چمکیلا بنا دیتے ہیں جیسے کہ مٹی ملے سونے کے ذرات دہکتی ہوئی بھٹی میں سے کندن (خالص سونا) بن کر نکلتے ہیں۔

انتہائی دل سوز حالات میں بھی اپنے ہوش وحواس قائم رکھنا اور اپنے علاوہ دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنے والے ایسے لوگ بطور انعام دنیا وآخرت میں ہدایت وعافیت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

اچانک پیش آنے والا حادثہ

عظمیٰ عظیم

موت ایک حقیقت ہے مگر یہ حقیقت ہم پر اس وقت کھلتی ہے جب ہم اسے قریب سے دیکھتے ہیں۔اس کی دہشت کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

اس وقت انسان کتنا بے بس ہوتا ہے۔ یہ محسوس کرنے والا ہی جان سکتا ہے۔

یہ ذکر ہے 15 دسمبر 2011 کا جب ہم اپنے ایک عزیز کی وفات کی اطلاع ملنے پر پنڈی سے لاہور جا رہے تھے۔گاڑی میں ہم تین بہن بھائی تھے۔

بھائی گاڑی چلا رہے تھے، میں ان کے ساتھ اگلی سیٹ پر تھی اور پچھلی سیٹ پر میری چھوٹی بہن بیٹھی تھی۔ ہماری کوشش تھی کہ ہم نماز جنازہ میں شرکت کر لیں۔

وقفے وقفے سے لاہور سے فون بھی آ رہے تھے جس وجہ سے بھائی گاڑی کو تھوڑی سپیڈ سے چلا رہے تھے اگرچہ وہ محتاط تھے۔

غرض کہ یہ ایک ایسا سفر تھا جس میں روٹین سے ہٹ کر کچھ بھی نہ تھا۔بس جلد پہنچنے کی بے چینی، باہر بھاگتے نظاروں کو دیکھنا اور بار بار گھڑی چیک کرنا، یہی ایک تکون تھی جس میں ہر دوسرے مسافر کی طرح ہم بھی گھوم رہے تھے۔

لاہور سے کچھ پہلے یونہی ایک جگہ میری بہن نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے بھائی سے پوچھا: ’’یہ سائیڈ پر کس چیز کا نشان ہے؟‘‘

بھائی نے بتایا کہ یہ ایکسیڈنٹ کا نشان ہے۔

بہن کو بہت حیرت ہوئی۔ بولی: ’’لیکن گاڑی اتنا اوپر کس طرح جا سکتی ہے؟‘‘

’’بس بہنا! یہ ڈرائیور کی غلطی ہوتی ہے اگر وہ محتاط اور اچھا ڈرائیور ہو تو کبھی حادثہ نہ ہو۔‘‘ بھائی نے لاپروائی سے جواب دیا۔

’’نہیں اس طرح نہیں ہوتا جب کوئی حادثہ تقدیر میں لکھا ہوتا ہے تو اسے کوئی ٹال نہیں سکتا‘‘۔

میں نے وضاحت کی لیکن بھائی نے اسے ڈرائیور کی غلطی ہی قرار دیا۔

یہ صرف ایک عام سی بحث تھی جس میں دونوں فریق اپنی نیک نیتی سے دلائل دے رہے تھے پھر جلد ہی بات سمٹ بھی گئی۔

میں یہ نہیں کہتی کہ آگے جو ہوا وہ اسی بحث کے باعث ہوا مگر یہ سچ ہے کہ انسان کے کہے الفاظ فضاؤں میں ٹھہر جاتے ہیں اور کبھی نہ کبھی وہ ان سے ضرور ٹکراتا ہے۔

تھوڑی دیر اور گزری تھی کہ ہماری گاڑی کے پچھلے ٹائر سے عجیب عجیب آوازیں آنی شروع ہو گئیں بھائی سمجھا کہ گاڑی کی ڈگی میں کوئی بوتل وغیرہ ہے جو ادھر ادھر لڑھک رہی ہے۔

جب آواز زیادہ آنی شروع ہوئی تو بھائی نے چھوٹی بہن سے کہا کہ آپ اپنی جگہ بدل لیں تا کہ پتہ چل سکے کہ آواز ڈگی سے آ رہی ہے یا ٹائر میں کوئی مسئلہ ہو رہا ہے جیسے ہی اس نے اپنی جگہ بدلی ایک زوردار آواز آئی اور ٹائر پھٹ گیا۔

بھائی نے گاڑی کو کنٹرول کرنے کی بہت کوشش کی لیکن گاڑی بے قابو ہو چکی تھی۔ بھائی کے ہاتھ سے اسٹیئرنگ چھوٹ گیا اور وہ اپنا بازو آگے کر کے مجھے بچانے لگا اور بولا اللہ اکبر!

وہ بہت ہی خوفناک لمحہ تھا۔

اس وقت ہمیں موت سامنے نظر آنے لگی اور آج بھی میری آنکھوں کے سامنے وہ لمحہ آ جاتا ہے جب گاڑی کھائی میں گر رہی تھی۔

بس چند لمحوں میں انسان کی ساری زندگی تہ و بالا ہو جاتی ہے، کسی فلم کے فلیشز کی طرح بچپن سے اب تک کے واقعات نگاہوں کے سامنے گھومنے لگتے ہیں، انسانی سوچ روشنی کی رفتار سے زیادہ تیزی سے سوچتی ہے اور انسان کو اپنی دنیا اور آخرت سب سامنے گڈمڈ ہوتا نظر آتا ہے۔

اس بھیانک لمحے میں، جب صرف کار ہی نہیں نیچے گر رہی تھی بلکہ ہم سب کی زندگیاں اور ان سے جڑی ساری امیدیں بھی ڈوب رہی تھیں، میں نے اونچی آواز میں کلمہ پڑھا اور بھائی

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نے میرے ساتھ آواز ملائی پھر ہم سب نے با آواز کلمہ پڑھا اور گاڑی کھائی میں گر گئی۔

اس وقت میں نے گویا سوچ لیا تھا کہ بس اب خود کو سپرد کرنے کا وقت آ گیا ہے۔

اب جو کمایا، جو لٹایا، سارے حساب کتاب چھوڑ کر، اب صرف اپنی روح کو لے کر کسی اور دنیا جانا ہے اور حاضری دینی ہے...

مگر وہ ہمارا وقت نہیں تھا۔

جب مجھے ہوش آیا تو بھائی بے چینی سے مجھے آواز دے رہا تھا۔

باجی! باجی! آپ ٹھیک تو ہیں؟

وہاں بہت اندھیرا تھا۔ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ دھند بہت تھی۔ تقریباً رات پونے آٹھ کا وقت ہو رہا تھا۔

پہلے میں نے اللہ کا شکر ادا کیا پھر بھائی کو جواب دیا میں ٹھیک ہوں۔ اب میں اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کرنے لگی تا کہ بہن کو دیکھ سکوں کہ وہ کدھر ہے؟

ہماری گاڑی الٹ چکی تھی۔ اللہ کا شکر کہ مجھے اور بھائی کو گہری چوٹ نہیں آئی تھی۔

ہماری گاڑی کے پیچھے والی گاڑی میں موجود افراد نے حادثہ دیکھ کر پولیس کو فون کر دیا تھا۔

لوگ اکٹھے ہونا شروع ہو گئے۔ ہمیں باہر نکال لیا گیا۔

میں بھائی کے ساتھ لپٹ کر رونے لگی۔ ہم موت کے منہ سے واپس آئے تھے۔ اچانک ہمیں کراہنے کی آواز آئی تو دیکھا کہ میری بہن گاڑی کی کھڑکی میں پھنسی ہوئی تھی۔

بھائی بے قراری سے کہنے لگا کہ ہم آپ کے پاس ہیں۔ لوگوں نے گاڑی کو باہر نکالا اور سیدھا کیا۔ ہم نے بہن کو باہر نکالا اسے کافی چوٹیں آئی تھیں چہرے کی جلد ایک طرف سے پھٹ گئی تھی لوتھڑا سا لٹک رہا تھا بھائی نے ٹشو ہاتھ میں رکھ کر اسے چھپا دیا پھر ایمبولنس میں ہمیں ہاسپٹل لے جایا گیا۔

جسے اللہ نقصان دینا چاہے اسے کوئی تدبیر بچا نہیں سکتی اور جسے اللہ بچانا چاہے اسے کوئی چیز نقصان نہیں دے سکتی۔ ناگہانی واقعات و حادثات اللہ کی مشیت سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

وہ بندے کو ان سے زندہ سلامت بچا لے تو اس کی شکر گزاری یہی ہے کہ نئی عطا کی گئی زندگی کو اسی کی رضا و منشا کے کاموں کے لیے وقف کر دیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الہدیٰ ایک نظر میں

الہدیٰ انٹرنیشنل ویلفیئر فاؤنڈیشن پاکستان، قرآن وسنت کی تعلیم اور خدمت خلق کے کاموں میں 1994ء سے کوشاں ہے۔ الحمدللہ آج نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے کئی ممالک میں اس کی شاخیں اسی مقصد کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ فاؤنڈیشن کے تحت درج ذیل شعبہ جات کام کر رہے ہیں۔

شعبۂ تعلیم وتربیت: اس شعبہ کے تحت قرآن وسنت کی تعلیم اور طالبات کی تربیت و کردار سازی کے لیے مختلف دورانیے کے درج ذیل کورسز کروائے جاتے ہیں:

- **تعلیم القرآن:** مکمل قرآن مجید کا لفظی ترجمہ وتفسیر، تجوید، حدیث و سیرت النبی ﷺ اور فقہ العبادات پر مبنی کورسز۔
- **تعلیم التجوید اور تحفیظ القرآن:** قرآن مجید کو درست پڑھنے اور حفظ کے کورسز ہیں۔
- **تعلیم الحدیث:** صحیح بخاری، ریاض الصالحین کے منتخب ابواب اور علوم الحدیث پر مبنی ہیں۔
- **روشنی کا سفر:** یہ کورس کم پڑھی لکھی لڑکیوں کے لیے اسلامی تعلیمات پر مشتمل ہے۔
- **روشنی کی کرن:** ناخواندہ خواتین ولڑکیوں کی تعلیم وتربیت کورس ہے۔
- **ریالٹی چَیک:** انگریزی زبان میں ہفتہ وار تعلیمی پروگرام ہے۔
- **منار الاسلام:** بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے ہفتہ وار پروگرام اور ناظرہ قرآن کی تعلیم کے لیے **مفتاح القرآن** پروگرام ترتیب دیا گیا ہے۔
- **فہم القرآن:** رمضان المبارک میں روزانہ ایک پارہ کے ترجمہ اور فہم پر مبنی پروگرام ہے۔
- **سمر کورسز:** گرمیوں کی چھٹیوں میں ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والی ہر عمر کی خواتین کے لیے مختصر دورانیے کے کورسز۔
- **خط وکتابت کورسز:** بذریعہ خط وکتابت اور آن لائن تعلیم حاصل کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

شعبۂ نشرواشاعت: الہدیٰ پبلی کیشنز کے تحت مختلف موضوعات پر کتب، کارڈز، کتابچے اور پمفلٹس چھپوائے جاتے ہیں اور ان کا مختلف زبانوں میں ترجمہ بھی شائع کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کی قراءت، ترجمہ وتفسیر، حدیث و سیرت النبی ﷺ، مسنون دعاؤں اور روزمرہ زندگی کے مسائل سے متعلق رہنمائی پر مبنی آڈیو کیسٹس (Audio)، سی ڈیز (c.d) اور وی سی ڈیز (v.c.d) تیار کی جاتی ہیں۔

شعبۂ خدمت خلق: کے تحت متعدد معاشرتی خدمات سرانجام دی جارہی ہیں مثلاً

- مستحق طلبہ کے لیے تعلیمی وظائف • رمضان المبارک میں راشن کی فراہمی • عیدالاضحیٰ کے موقع پر اجتماعی قربانی
- دینی وسماجی رہنمائی • کچی بستیوں میں تعلیمی اور رفاہی کام • قدرتی آفات کے موقع پر ممکنہ ضروری امداد
- کنوؤں کی کھدائی کے ذریعے خشک علاقہ جات میں پانی کی فراہمی

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

پڑھیے اور پڑھائیے

دعاؤں کی کتب اور کارڈز

- وایاک نستعین (کتاب)
- قرآنی دعائیں (کتاب)
- سفر کی دعائیں (کتابچہ)
- حصول علم کی دعائیں (کارڈ)
- صالح اولاد کے لیے دعائیں (کارڈ)
- رنج وغم کے ازالہ کی دعائیں (کارڈ)
- فہم القرآن میں مددگار دعائیں (کارڈ)
- نظر اور تکلیف کی دعائیں (کارڈ)
- حفاظت کی دعائیں (کارڈ)
- میت کی بخشش کی دعائیں (کارڈ)
- رمضان مبارک کی مسنون دعائیں (کارڈ)
- نماز کے بعد کے مسنون اذکار (کارڈ)
- زادراہ (کتابچہ)
- دعائے استخارہ ودعائے حاجت (کارڈ)
- نمازِ تہجد کے لیے دعائے استفتاح (پوسٹر)
- آیاتِ شفاء (کارڈ)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

Husne Anjaam

حُسنِ انجام

AL-HUDA
Publications (Pvt) Ltd.

ISBN 978-969-8665-87-6
04010097

AL-HUDA
Publications (Pvt) Ltd.